اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ

شاہِ ابرار ہیں زندہ و مختار

حسبِ ارشاد

عارفِ حقانی حضور پیر سید عابد حسین شاہ صاحب زیب سجادہ ثانی علی پور سیداں شریف

حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی حسینی

S-1
556
1926

ادارہ تعلیماتِ مجددیہ

ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ

شاہِ ابرار — زندہ و مختار

حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی حسینی

ادارہ تعلیماتِ مُجدّدیہ
ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام مقالہ : شاہِ ابرار --- زندہ و مختار

مقالہ نگار : حضرت علّامہ پروفیسر محمد حُسین آسی نقشبندی

صفحات : ۱۰۴

تعداد : ۸۰۰

تاریخِ اشاعت : ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹۹۵ء

ہدیہ : ۱۵

نوٹ:

شائقین ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر بھی حاصل کر سکتے ہیں

------ پتہ ------

ادارہ تعلیمات مجددیہ 'ارشد لائبریری' ریلوے روڈ شکر گڑھ ضلع نارووال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ تمنّا

اُدھر کیسے بد نصیب لوگ ہیں

حضور کے امتی بھی کہلاتے ہیں اور بغض و عناد کا اظہار بھی کرتے ہیں'

اور اِدھر کتنے خوش نصیب ہیں جو دن رات اپنے آقا و مولا کی عظمتوں کے گن گاتے ہیں' اُن کے اِحسانات و نوازشات کے نغمے الاپتے ہیں۔

اِن خوش نصیبوں میں حضرتِ آسی کو کون نہیں جانتا۔

آپ ژولیدہ فکری اور بد عقیدگی کے خلاف ہر لحظہ بر سرِ پیکار ہیں' زیرِ نظر مقالہ "شاہِ ابرار--- زندہ مختار" بھی اسی عزم کا انمٹ نشان ہے۔ اللہ اللہ!

لفظ اُن کی زبان سے نکلے خوبصورت خیال پہنے ہوئے
اُن کے زورِ بیاں سے نکلے آگہی اور علم کے دریا

الحمدللہ' حضرت کی راہنمائی میں ادارہ تعلیمات مجددیہ بھی اسی راہ پہ گامزن ہے۔ موجودہ دور خطرناک ہے' تاریک ہے' متاعِ دین و دانش لٹ رہی ہے' مگر اراکینِ ادارہ نااُمیدی کا شکار نہیں' گویا

کچھ اور بڑھ گئے ہیں اِندھیرے تو کیا ہوا
مایوس تو نہیں ہیں طلوعِ سحر سے ہم
مانا کہ اس زمیں کو نہ گلزار کر سکے
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

اللہ کریم حضرتِ آسی کا سایہ ہُما پایہ ہمارے سروں پہ تادیر قائم رکھے اور اہلِ ادارہ کو دینِ متین کی اشاعت میں مزید خدمات سرانجام دینے کی توفیق دے۔

دعاگو

غلام مصطفیٰ مجددی

تو زِنْدہ ہے واللہ تو زِنْدہ ہے واللہ
مرے چشمِ عالم سے چھُپ جانے والے

شاہ ابرار ---- زندہ و مختار

---O---

میلاد

قلمِ قدرت کے بہتریں شہکار بزمِ فطرت کے صدرِ عالی وقار
کاروانِ حیات کے سالار مرسلینِ عظام کے سردار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

مرکزِ دائرہَ ہست و بُود ذاتِ عالی ہے جن کی وجہ وجُود
نظمِ ہستی کا جن سے تار و پُود بوئے گل، رنگِ لالہ، جانِ بہار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

نورِ اول کا ماہ پارہ بھی! چشمِ جبریل کا ستارا بھی
کشتیِ نوح کا سہارا بھی نارِ نمرود جن سے ہو گلزار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

وہ دعائے خلیل و اسمٰعیل آرزوئے کلیمِ ربِ جلیل
برتر از فہم و وہم و قال و قیل سرِ اسرار و مخزنِ اسرار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

جن کی شانیں صُحف بتاتے رہے جن کی محفل نبی سجاتے رہے
جن کے داوٗد گیت گاتے رہے جن پہ عیسیٰ مسیح جاں سے نثار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

ان کی تمثیل لائے کیا دنیا وہ جو میلاد میں بھی ہیں یکتا
جن کی تعظیم کو جھکا کعبہ جن کی تسلیم میں رہے اجار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

زندگی آپ کی بدولت ہے بندگی آپ کی عنایت ہے
آپ کا نام جانِ رحمت ہے آپ کی ذات مبدء الآثار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

آپ کا فکر، روح کی تزئیں آپ کا ذکر، قلب کی تسکیں
آپ کا نام شہد سے شیریں آپ جانِ ثبات و وجہِ قرار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

معراج

تاجدارِ حرم، حبیبِ خدا خوابِ راحت میں تھے شبِ اسریٰ
لائے روح القدس نویدِ لقا نکلے ہو کر براق پہ سوار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

کیا ہی ہوگا وہ منظرِ اقصیٰ ہر نبی اور رسول پیچھے کھڑا
اور آگے حضور جانِ ہدیٰ ہیں امامت کے بالیقیں حقدار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

اب چلے آسمان کی جانب جو ہیں رب کریم کے نائب
جن کی خاطر ہیں مشرق و مغرب جن پہ قربان دور لیل و نہار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

سدرۃ المنتہیٰ بھی قدموں میں　　سرِ عرشِ علیٰ بھی قدموں میں!
ہر فنا، ہر بقا بھی قدموں میں　　بڑھتے جاتے ہیں شاہِ والاتبار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

وہ ہیں کون و مکان سے آگے　　سب کے وہم و گمان سے آگے
ہر حد و ہر نشان سے آگے　　ہاں لگا نعرہ، اے دل بیدار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

واہ وا جذب و شوق کا عالم　　ادنُ منّی کی دعوتِ پیہم
قاب قوسین سے بھی افخم　　جس جگہ پہنچے از پئے دیدار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

جس نظر نے خدا کو دیکھ لیا　　جس سے حق نے کیا نہ کچھ پردہ
کچھ چھپا اس سے، ہو نہیں سکتا　　شاہدِ کل ہیں شاہدِ غفار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

سرِّ تکوینِ محفلِ امکاں!!　　مطلعِ حسن، منبعِ احساں
عرشِ اعلیٰ پہ رب کے ہیں مہماں　　فرشِ دنیا پہ مہبطِ انوار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

آپ کو یکساں حال و استقبال　　خلق و خالق میں آپ اصلِ وصال
سب سے ہے قرب، وہ بھی قرب کمال　　دوریوں سے تو دور ہیں سرکار

شاہ ابرار---- زندہ و مختار

جود و سخا

رب ہے معطی تو آپ ہیں قاسم رب ہے مالک تو آپ ہیں ناظم
فضلِ منعم سے آپ ہیں منعم آپ شافع تو ہے خدا، غفار
شاہ ابرار--- زندہ و مختار

جانِ لطف و کرم، رسولِ کریم رحم کی انتہا، رؤف و رحیم
شاملِ حالِ خلق، فیضِ عمیم برسے دن رات ابرِ گوہر بار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

جو کٹے عشقِ حق میں وہ زندہ جو ہے خود نورِ حق وہ کیا ہوگا
موت اور دیدِ حق ہوں کیوں یکجا ہاں نہیں مردہ، وہ کبھی، زنہار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

خسروی، آپ کی گدائی ہے قید یہ، قید سے رہائی ہے
اس پہ قربان سب خدائی ہے جو ہے سرکار کا سگِ دربار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

فریاد و اِستغاثہ

آج بھی آپ دہر کے داتا آج بھی آپ کا بٹے باڑا
آج بھی آپ ہی سنیں بپتا آج بھی آپ دافعِ آزار
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

کون ہے اور دافعِ ہر غم　　کون ہے اور رحمتِ عالم
اب کسے آدمی سنائیں پکار　　کون تھا تب وسیلہ آدم
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

بارشِ فتنہ صبح ہو یا شام　　مشکلوں میں ہے ملتِ اسلام
دندناتے پھریں اگر غدار　　کیوں نہ پھر کام قوم کا ہو تمام
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

شمعِ احساس بجھ گئی اپنی　　قوم حالِ تباہ کو پہنچی
جو حمیت کے تھے علمبردار　　اب حمیت سے ہیں وہی عاری
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

ملک کو بیچیں ملک کے افسر　　قوم کو لوٹیں قوم کے رہبر
آپ کے نام لیوا یا سرکار　　ہیں کھڑے موت کے دہانے پر
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

شاہِ ثقلین، رحمتِ دارین　　اے مرے آقا خواجہ کونین
کیجئے بحرِ غم سے بیڑا پار　　بہرِ شیخین، صدقہ حسنین
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

اور بحقِ کریم لاثانی　　صدقہ تاجدارِ جیلانی
تار ہے تا ابد ہمیں بھی خمار　　ہم کو بھی ایک بوند ارزانی
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

پرخطا، کم نگاہ، سودائی　　کہاں نعتِ نبی، کہاں آسی
کر لیں مقبول یہ حقیر، اشعار　　پھر بھی از بہرِ نقشِ لاثانی
شاہ ابرار---- زندہ و مختار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہیدی کلمات

اسلام کے ہمہ گیر فکری انقلاب کا ایک اہم عنوان ہے "موت کے بعد پھر زندگی" اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اس کا منکر ایمان سے خارج ہے۔ ہمارے ہاں موت مکمل فنا کا نام نہیں بلکہ یہ دنیوی زندگی کا اختتام ہے' اب یہاں سے زندگی کا نیا دور شروع ہو جاتا ہے جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے۔ قیام قیامت تک یہی دور چلے گا پھر اخروی زندگی شروع ہو جائے گی جس کی کوئی انتہا نہیں۔ پھر اس عقیدے کا اصلاح عمل سے اور عظمت انسان کے نظریے سے بھی گہرا تعلق ہے۔ بہت سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزا یہاں اس دنیا میں مکمل ہو ہی نہیں سکتی مثلاً ایک آدمی کے قاتل کو قتل کر کے تو سزا پوری کر دی گئی' مگر دو یا دو سے زیادہ انسانوں کے قاتل کو ایک بار قتل کر کے سزا کیونکر پوری ہو گی' اسے دو یا دو سے زیادہ بار ہی قتل ہونا چاہیے جو اس دنیا میں ناممکن ہے۔ ایسی سزا کو دوگنا' تگنا یا کئی گنا کرنا آخرت ہی میں ممکن ہے۔ ظاہر ہے جن لوگوں کا آخرت اور اس کے ثواب و عذاب پر پکا ایمان ہو گا' ان پر خوف خدا مسلط رہے گا جس سے ان کی زندگی نیکی اور تقویٰ کی علامت بن جائے گی۔ پھر جن کی زندگی اپنے خالق کی محبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط و غیر محدود اطاعت میں گزرے گی' اللہ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا انعام بھی ایسے لوگوں کے لیے غیر محدود اور کبھی نہ ختم ہونے والا ہو--- چنانچہ اس قسم کی نوازشات کے لیے بھی دنیا کا میدان نہایت تنگ ہے۔ اس کے لیے دو روزہ زندگی اور محدود فضا کی بجائے ابدی زندگی اور بے کنار فضا کی ضرورت ہے جو آخرت ہی میں میسر آ سکتی

ہے۔

جہاں تک اس عقیدۂ آخرت کے ساتھ عظمت انسان کے وابستہ ہونے کا تعلق ہے' وہ بھی ظاہر ہے۔ انسان اسلامی نقطۂ نظر سے اس دنیا میں اپنے خالق و مالک کا خلیفہ ہے۔ کسی دوسری مخلوق پر یہ ذمہ داری نہیں۔ خلافت کے شرف سے اسے سرفراز کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں احساس ذمہ داری ہو' اس لیے فرمانبرداری و نافرمانی کا انجام بھی اس پر واضح کر دیا جائے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اسی کام کے لیے تشریف لائے چنانچہ ان مقدس ہستیوں نے انسان کو اس کی عظمت سے بھی آگاہ کیا' اسے اچھی زندگی کے آداب بھی سکھائے اور نیکی و بدی کی تمیز دے کر ان کا انجام بھی بتایا۔ یوں سمجھو' انسان کو عام مخلوق کے مقابلے میں "عقل" سے نوازا گیا اور عقل کی رہنمائی کے لیے سلسلہ نبوت قائم کیا گیا۔ "عقل" بیچاری زیادہ سے زیادہ عالم شہادت میں ہاتھ پاؤں مار سکتی ہے' نبوت نے اسے عالم غیب سے روشناس کیا اور فرشتے' روح' نکیرین' عذاب و ثواب قبر' حشر و نشر' صراط و میزان' جنت اور دوزخ کی حقیقت بتائی۔

کافروں کا فکر و عمل:

کافر اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں' ان کے لیے یہ بات خلاف عقل ہے کہ انسان مرنے کے بعد بھی کسی قسم کی زندگی رکھے۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ قبر میں عذاب ہو گا یا کوئی انعام ملے گا۔ پھر بھی زندہ ہو کر پل صراط عبور کرنا ہو گا' حساب و کتاب ہو گا اور آخر کار کامیابی و ناکامی کے اعلان پر جنت یا دوزخ میں جانا ہو گا۔ ایک عرب شاعر دور جاہلیت میں کہا کرتا تھا

حَيَاةٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ

حَدِيْثُ خُرَافَةٍ يَا اُمَّ عَمْرٍو

یعنی "اے میری محبوبہ ام عمرو! زندگی' پھر موت اور پھر قبر سے اٹھنا سخت بیہودہ بات ہے"۔

قرآن پاک کی سینکڑوں آیات میں عقیدۂ آخرت کا ذکر ہے اور کفار کے اعتراضات کا مسکت جواب بھی۔ حق یہ ہے کہ حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسے حدیث خرافہ (بیہودہ بات) کہنے والے اس حد تک سیدھے ہو گئے کہ انہیں نہ اپنے پیدا کرنے والے میں شک رہا اور نہ دنیائے آخرت میں۔

عقیدۂ آخرت کا بنیادی تصور:

عقیدۂ آخرت کی مختصر تشریح یہی ہے کہ دنیا میں کی ہوئی نیکیوں پر انعام ملے گا اور گناہوں پر سزا۔ مگر دیکھنا یہ ہے انعام یا سزا جسے مل رہی ہے' اس کا زندہ ہونا بھی تو ضروری ہے تاکہ اسے احساس ہو' خوشی ہو یا تکلیف ہو۔ اگر راحت یا کلفت نہیں محسوس ہو رہی تو انعام بھی بے معنی اور سزا بھی۔ پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انعام کسے مل رہا ہے اور سزا کسے--- ظاہر ہے جس نے نیکیاں کیں یا گناہ کیے۔ یقیناً وہ انسان ہے اور انسان ہے جسم و روح کا مجموعہ۔ انسان نے نیکیاں کیں تو گویا اس کے جسم و روح نے کیں اور گناہ کیے تو بھی جسم و روح نے مل کر' لہٰذا راحت ملے گی تو بھی جسم و روح دونوں کو اور تکلیف ہو گی تو بھی ان دونوں کو۔

رہ گیا یہ کہ جزا کی یہ دونوں صورتیں کب اور کہاں ہوں گی--- ایک تو بالکل ظاہر ہے یعنی قیامت کے حساب و کتاب کے بعد جو بخشا گیا' وہ جنت میں جائے گا اور جو مجرم ٹھہرا' وہ دوزخ میں۔ جنت و دوزخ کے یہ دونوں مقامات' ایمانیات میں داخل ہیں' یعنی ان کا منکر مسلمان نہیں رہتا البتہ جزا کی ایک جگہ ان کے علاوہ ہے اور وہ ہے قبر (یعنی عالم برزخ) میں دفن ہوتے ہی فرشتوں سے سوال و جواب کے بعد عذاب یا انعام شروع ہو جاتا ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے۔

"روایت ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہ حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ سو اسے بٹھا کر

پوچھتے ہیں' تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے' میرا رب اللہ ہے۔ پھر کہتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے' میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں' یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے' آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں' تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' اس پر ایمان لایا' اسے سچا مانا۔ سو یہی ہے مفہوم آیت یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ --- (ترجمہ: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ الخ۔) (سورۃ ابراہیم' ۲۷) کا' پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے لہٰذا اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ' اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو تو کھول دیا جاتا ہے۔ سو اس تک جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور تاحد نظر قبر میں فراخی کر دی جاتی ہے۔ رہا کافر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کا ذکر بھی فرمایا کہ اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں' تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے' ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے' ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ پوچھتے ہیں' یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے' ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ تب ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ اسے آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے آگ کا دروازہ کھول دو۔ تو اس کی گرمی اور لو آتی ہے اس پر اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جاتی ہیں۔ پھر اس پہ اندھے بہرے فرشتے مسلط کیے جاتے ہیں جن کے پاس لوہے کے ہتھوڑے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے پہاڑ پر ضرب لگائی جائے تو وہ بھی مٹی ہو جائے۔ اس سے اسے ایسی مار مارتے ہیں جسے جن

وانس کے سوا مشرق و مغرب کی ساری مخلوق سنتی ہے۔ تو وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے (گویا یہ عمل جاری رہتا ہے، مارنے اور روح لوٹانے کا) (احمد - ابو داؤد)

اس ساری حدیث پاک کا خلاصہ دوسری حدیث پاک میں یوں ہے:

اَلْقَبْرُ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ جَهَنَّمَ اَوْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ۔ (شرح الصدور)

"قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ"۔

قبر میں کافر کی زندگی

ظاہر ہے جس کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، وہ کافر و مشرک ہے یا منافق جس کا عذاب دائمی ہے۔ عارضی طور پر گنہگار مسلمان بھی قبر میں مبتلائے عذاب ہو سکتا ہے۔

عذاب کا ہونا مردے کی زندگی کی دلیل ہے۔ اگر وہ عذاب کو محسوس ہی نہ کر سکے تو عذاب کیسا؟ پھر یہ عذاب بھی صرف روح کو نہیں ہوتا بلکہ جسم و روح دونوں کو ہوتا ہے (جیسا کہ دوزخ میں ہوگا) کافر کی روح اگرچہ سجین میں گرفتار ہوتی ہے، تاہم اس کا جسم سے اتنا تعلق ضرور رہتا ہے کہ عذاب کو محسوس کر سکے نیز قبر پر کسی بات کرنے والے کی بات کو سنے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنی قوموں سے ان کی ہلاکت کے بعد خطاب کیا(۱) اور یہ بات قرآن پاک کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ اگر ان کا سننا خلاف واقعہ اور فضول ہوتا تو یہ حضرات، ہرگز ہرگز ان سے کلام نہ فرماتے۔ خود ہمارے آقا و مولا علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی غزوۂ بدر کے اختتام پر مشرکین مکہ کی لاشوں سے خطاب فرمایا۔ اس موقع پر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ لَهَا۔

ترجمہ : "آپ ان جیسوں سے کیوں کلام فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں"۔

ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا:۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْهُمْ۔

ترجمہ : "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے تم ان سے زیادہ میری بات کو نہیں سن رہے"۔

عذاب قبر کا انکار معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کے سوا کسی نے نہیں کیا اور حدیث پاک کی کتابوں میں اِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ کے نام سے باقاعدہ باب باندھے گئے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کو حدیث کی حجیت پر یقین کا دعویٰ ہے، انہیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ بالخصوص جب یہ قرآن پاک کی متعدد آیات سے بھی ثابت ہے۔ (۲) اور اگر عذاب قبر ثابت ہے تو کافر مردوں کی زندگی اس حد تک ضرور ثابت ہو گئی کہ گرفتار عذاب ہونے کے باوجود وہ آوازیں سنتے ہیں۔ اگرچہ قبر یا گڑھے میں جو کچھ ہوتا ہے، انسانی نظروں سے اوجھل رہتا ہے، تاہم مخصوص حکمتوں کے مطابق کتاب و سنت کی تصدیق کے طور پر کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ ظاہر بھی کر دیا جاتا ہے۔ ذیل کے دو واقعات پر غور فرمائیے۔

ابو جہل کا عذاب:

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے طبرانی اوسط اور ابن ابی الدنیا کی "کتاب القبور" وغیرہما کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک ایک شخص گڑھے سے نکلا

جس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے پکار کر کہا' اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ"۔ اب مجھے معلوم نہیں وہ میرا نام لینا چاہتا تھا یا یونہی عربوں کے قاعدے کے مطابق اس نے مجھے عبداللہ (یعنی اللہ کا بندہ) کہہ کر پکارا۔ اس کے پیچھے ایک آدمی کوڑا لیے ہوئے نکلا۔ اس نے مجھ سے کہا' اے عبداللہ! تم اس کو پانی نہ پلانا کیونکہ یہ کافر ہے۔ پھر اس کو کوڑے سے مارا حتیٰ کہ وہ پھر گڑھے میں لوٹ گیا۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا' کیا تم نے اسے دیکھا!؟ میں نے عرض کیا' ہاں۔ فرمایا' وہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا اور یہ اس کا عذاب ہے قیامت تک"۔ (شرح الصدور' بشرح حال الموتی والقبور)

مسلم بن عقبہ کا واقعہ:

ابن عساکر نے محمد بن سعید سے روایت کی کہ مسلم بن عقبہ مری مدینہ آیا اور لوگوں کو یزید کی بیعت کی دعوت دی کہ تم سب اللہ کی اطاعت اور نافرمانی میں غلام محض ہو۔ (۳) تو لوگ اس کی دعوت کی طرف آئے۔ ایک شخص نے جو قریشی تھا اور اس کی ام ولد تھی کہا' صرف اللہ کی اطاعت میں۔ مسلم بن عقبہ نے اس کی بات نہ مانی اور اسے قتل کر دیا۔ اس کی ماں نے قسم کھالی کہ مسلم زندہ یا مردہ ملا تو اسے جلا دے گی۔ مسلم مدینہ سے نکلا تو اس کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور وہ (مکہ مکرمہ کے راستے میں ہی) مر گیا۔ وہ بڑھیا اپنے غلاموں کے ساتھ اس کی قبر پر گئی اور اسے کھودنے کا حکم دیا۔ اب جو اندر دیکھا تو ایک اژدہا اس کی گردن پر لپٹا ہوا تھا اور اس کی ناک کو چوس رہا تھا۔ یہ حال دیکھ کر لوگ ہٹ گئے۔ (شرح الصدور)

حضرت شیخ محقق علیہ الرحمتہ نے باقی واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

"اور عورت سے کہا' قادر مطلق نے اس کو اس کے اعمال کی سزا دے دی اور تو نے جس بات کا ارادہ کیا تھا ترک کر دے۔ اس کے لیے اتنا عذاب ہی کافی ہے۔

عورت نے کہا، ہر گز نہیں، میں نے خدا سے جس بات کا عہد کیا ہے، جب تک اسے پورا نہ کرلوں گی، اس (مسرف) کے پاس سے نہ ہٹوں گی۔ پھر اس (عورت) نے کہا، اس کو پیروں کی جانب سے نکالو۔ دیکھا وہاں بھی ایک اژدہا اسی طرح لپٹا ہوا ہے۔ اس نے وضو کیا، دو رکعت نماز ادا کی اور نہایت گریہ و زاری سے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ خداوندی میں دعا کی، اے خدائے قہار تو جانتا ہے، مسلم بن عقبہ پر میرا غصہ تیری رضامندی کے لیے ہے۔ مجھ کو موقع اور قدرت دے کہ میں اسے گڑھے سے نکال کر جلاؤں۔ اس کے بعد ایک لکڑی لی اور اس سانپ کی دم پر ماری، وہ (سانپ) اس کے سر سے جدا ہو کر باہر چلا گیا۔ عورت نے اپنے ملازموں سے کہا، اسے قبر سے باہر نکال کر جلاؤ"۔

گنہگار مومن کی برزخی زندگی:

گنہگار مومن کو بھی قبر میں عذاب ہوگا، مگر کافر کے برابر نہیں ہوگا۔ (کیونکہ اس میں کفر و شرک کی سزا تو شامل نہیں ہوگی) چنانچہ بعض روایات کے مطابق کافر پر اس کی قبر میں قیامت تک کے لیے ننانوے اژدہے مقرر کیے جاتے ہیں جو اسے ڈستے رہتے ہیں۔ (شرح الصدور بحوالہ احمد، ابو یعلی وغیرہ) مگر مومن کا عذاب مقابلتاً ہلکا بھی ہوگا اور عارضی بھی، کبھی جمعہ شریف کی رات تک۔ کبھی کسی کے صدقے یا دعا وغیرہ سے بھی ختم ہو جاتا ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (شعب الایمان بیہقی)

"میت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے اور دعا کی منتظر۔

پھر جب میت کو یہ دعا پہنچتی ہے تو یہ اسے ساری دنیا اور دنیا کے سارے سامان سے بھی پیاری ہوتی ہے اور بیشک اللہ عزوجل زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو پہاڑوں جتنا ثواب عطا فرماتا ہے اور بیشک زندوں کا مردوں کے لیے تحفہ دعائے مغفرت ہے"۔

دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند کرنا بھی حیات برزخی کی دلیل ہے۔ ہاں کبھی کبھی یہ عذاب قبر گنہگار مومن کے لیے بھی دیرپا ہو جاتا ہے' شاید اس لیے کہ دنیا میں خاص اس کے لیے دعا کرنے والا ہی کوئی نہ ہو' پھر یہ عذاب بعض اوقات ظاہر بھی کر دیا جاتا ہے' ایک تو اسلام کی صداقت کے اظہار کے لیے اور دوسرے لوگوں کو بعض گناہوں کی ہولناکی پر عبرت دلانے کے لیے۔ یہاں اس سلسلے میں ایک دو واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ اصبہانی نے "ترغیب" میں عوام بن حوشب سے روایت کی' انہوں نے کہا ایک مرتبہ میں ایک قبیلے میں آیا جس کے ایک طرف قبرستان تھا۔ عصر کے بعد اس میں ایک قبر پھٹتی تھی اور ایک شخص نمودار ہوتا تھا جس کا سر گدھے کی طرح ہوتا تھا اور جسم انسان کی طرح۔ وہ گدھے کی مانند تین دفعہ گدھے کی سی آواز نکال کر پھر قبر میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا یہ شراب کا عادی تھا۔ پینے لگتا تھا تو اس کی ماں کہتی' اے میرے بیٹے! اللہ سے ڈر۔ تو وہ جواب دیتا' تو گدھے کی طرح ہینکتی رہتی ہے۔ آخر ایک دن عصر کے بعد مر گیا تو ہر روز عصر کے بعد نکلتا ہے' تین بار ہینکتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔

۲۔ بیہقی نے "کتاب عذاب القبر" میں اپنی سند سے یزید بن عبد اللہ سے روایت کی کہ ایک شخص ایک قبر کے پاس پہنچا تو اس نے آہ' آہ کی آواز سنی۔ جب اس نے کان لگا کر سنا تو آواز آ رہی تھی کہ تجھ کو تیرے عمل نے رسوا کیا۔

ضروری وضاحت:

حضرت امام عبدالرحمٰن سیوطی قدس سرہ "فائدے" کے عنوان سے فرماتے ہیں:

"علماء نے فرمایا کہ عذاب قبر دراصل عذاب برزخ ہی کو کہتے ہیں لیکن قبر کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ بالعموم لوگ قبر ہی میں دفن ہوتے ہیں' ورنہ خواہ کوئی شخص جل جائے' یا ڈوب جائے' یا اسے کیڑے مکوڑے کھا جائیں' یا ہواؤں میں اڑا دیا جائے' سب پر عذاب برزخ ہوگا۔ اہلسنت کا اتفاق ہے کہ عذاب و ثواب' روح اور جسم دونوں کے لیے ہیں"۔

مناظر اہلسنت حضرت پروفیسر محمد سعید اسعد اپنی کتاب "حیات النبی" میں فرماتے ہیں:

"اب یہ بات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کے چھوٹے سے ٹکڑے سے روح کا تعلق کرایا جاتا ہو اور عذاب قبر کے پوشیدہ رکھے جانے کی حکمت سے وہ ہڈی کا ٹکڑا انسان کو نظر نہ آتا ہو' یہ ریڑھ کی ہڈی کا ٹکڑا وہی ہے جس کا ذکر صحیح بخاری اور مسلم کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کو مٹی نہیں کھاتی اور اسی سے قیامت کے دن مردے کا سارا جسم تیار ہو جائے گا۔ اس سے یہ بات بھی نکل سکتی ہے کہ جس طرح ہڈی ہڈی کے ٹکڑے میں تمام جسم کے تیار ہو جانے کا مادہ رکھا گیا ہے' اسی طرح روح کے تعلق کے بعد اس ہڈی کے ٹکڑے پر کا عذاب قبر تمام جسم پر کے عذاب کا کام دے تو کیا یہ قدرت الٰہی سے باہر ہے؟"

مومن گنہگار ہو یا نیک' قبر میں سنتا ہے:

حضرت امام سیوطی قدس سرہ کی کتاب "شرح الصدور" سے تین روایات پیش خدمت ہیں جو اس مسئلے میں بالکل واضح ہیں:

۱- ابن ابی الدنیا نے "کتاب القبور" میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے

روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کی زیارت کے لیے جاتا ہے تو وہ اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اس کی باتوں کا جواب دیتا ہے۔

۲۔ ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے "شعب" میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے متعارف شخص کی قبر کے پاس گزرتا اور اس کو سلام کہتا ہے تو صاحب قبر اس کو جواب دیتا ہے۔ نیز اسے پہچان کر سلام کہتا ہے۔ (ابن عبدالبر نے کتاب الاذکار اور تمہید میں یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے)

۳۔ عقیل نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا، رزین نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں قبرستان سے گزرتا ہوں تو کیا کوئی کلام ہے جو مردوں سے کروں تو آپ نے فرمایا، تم یہ کہہ دیا کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُؤْمِنِیْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّنَحْنُ لَکُمْ تَبَعٌ وَّاَنَا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔(۴)

ترجمہ: "اے قبر والے مسلمانو اور مومنو! السلام علیکم، تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے تابع اور بیشک انشاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں"۔

ابو رزین نے عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ) کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا، سنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔ (یعنی ایسا جواب جسے تم سن سکو) پھر آپ نے فرمایا، اے ابو رزین کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کی بجائے انہی کی تعداد میں فرشتے تم کو جواب دیں اور جواب نہ دے سکنے سے مراد ایسا جواب ہے جسے انسان اور جنات نہیں سن سکتے، ورنہ وہ جواب ضرور دیتے ہیں۔

صالحین کی برزخی زندگی:

قرآن پاک فرماتا ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ (الجاثیہ: ۲۱)

ترجمہ: "کیا جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کی ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں"۔ (کنزالایمان)

اوپر حدیث پاک سے بھی یہ مضمون واضح ہو چکا ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب ہونے والوں کے لیے آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے' لہٰذا اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ' اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو تو کھول دیا جاتا ہے۔ سو اس تک جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور تا حد نظر قبر میں فراخی کر دی جاتی ہے۔ (اس کے بعد حدیث پاک میں کافر کا بیان ہے جو اس کے بالکل برعکس ہے۔) کافر ہو یا مومن' دونوں قبر یا برزخ میں سنتے ہیں اور دونوں اپنے عذاب یا انعام کا شعور رکھتے ہیں۔ تاہم مقید ہونے کی وجہ سے کافر کو تو اپنی پڑی ہوتی ہے اور صالح مومن بہترین زندگی کے لطف بھی اٹھاتا ہے اور دوسروں کو فائدہ بھی پہنچا سکتا ہے' وہ زندہ ہوں یا مردہ --- اس سلسلے میں چند روایات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ابو نعیم نے یوسف سے' انہوں نے عطیہ سے روایت کی' انہوں نے کہا میں نے ثابت (بنانی) کو حمید طویل سے کہتے ہوئے سنا' اے حمید! کیا تمہیں ایسی حدیث معلوم ہے جس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دوسرے لوگوں کے قبروں میں نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہو۔ انہوں نے کہا' نہیں۔ تو حضرت ثابت نے دعا مانگی "اے اللہ! اگر تو کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو ثابت کو بھی ضرور دینا"۔ جبیر کہتے ہیں کہ میں خدائے واحد و لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ثابت بنانی کو قبر میں اتارا۔ میرے ساتھ حمید بھی تھے۔ جب ہم اینٹیں رکھ چکے تو اچانک ایک اینٹ گر پڑی چنانچہ

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا کو رد نہ کیا۔

۲۔ ایک دوسری روایت کے مطابق ابراہیم بن صمہ مہلبی راوی ہیں کہ مجھے صبح کے وقت قلعہ کے قریب سے گزرنے والوں نے بتایا کہ جب ہم ثابت بنانی قدس سرہ کی قبر کے پاس گزرتے ہیں تو قرآن پڑھنے کی آواز آتی ہے۔

۳۔ ابن ابی الدنیا نے "کتاب المنامات" میں اپنی سند سے راشد بن سعد سے روایت کی کہ ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو اس نے خواب میں بہت سی عورتیں دیکھیں لیکن اس کی بیوی ان میں نہ تھی۔ اس نے اپنی عورت کے نہ آنے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا، تم نے اس کو مناسب کفن نہ دیا، اس لیے اب وہ آنے میں شرم محسوس کرتی ہے۔ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا، کسی ثقہ آدمی کا خیال رکھنا۔ اتفاقاً ایک انصاری کی موت کا وقت آگیا۔ اس نے انصاری سے کہا، میں اپنی بیوی کا کفن دینا چاہتا ہوں۔ انصاری نے کہا، اگر مردہ مردے کو پہنچا سکتا ہے تو میں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ یہ شخص دو زعفرانی رنگ کے کپڑے لایا اور انصاری کے کفن میں رکھ دیئے۔ اب جو رات کو خواب میں دیکھا تو وہ عورت کپڑے پہنے کھڑی ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کی اسناد میں کچھ حرج نہیں۔

۴۔ رسالہ قشیری میں ہے، ابو یعقوب سوسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مردے کو غسل دیا تو اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا تو میں نے کہا، اے بیٹے! میرا انگوٹھا چھوڑ دے کیونکہ میں جانتا ہوں یہ مرنا نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ہے۔

۵۔ یہی راوی ہیں کہ میرا ایک مرید مکہ مکرمہ سے آیا اور مجھ سے کہنے لگا، اے استاذ گرامی میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا تو یہ دینار لو، آدھے سے کفن اور آدھے سے میری قبر تیار کرا لینا۔ جب دوسرے روز ظہر کا وقت آیا تو اس نے آکر طواف کیا، پھر دور کھڑا ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد مر گیا۔۔۔ میں نے اسے قبر میں رکھا تو اس نے

آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا، کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا، میں اللہ تعالیٰ کا محب ہوں اور اللہ کا ہر محب (ہمیشہ) زندہ رہتا ہے۔

(یہ سب روایات شرح الصدور ہی سے لی گئی ہیں)

شہدا کی برزخی زندگی:

یہ بات کچھ تفصیل سے ہو چکی کہ مردہ برزخ میں سنتا ہے اور قبر پر آنے والے اپنے شناساؤں کو جانتا پہچانتا بھی ہے۔ جسم گل سڑ کر اگر بظاہر نیست و نابود بھی ہو جائے، اس کے اجزائے اصلیہ قائم رہتے ہیں اور انہی پر اس کے آئندہ جسم کی بنیاد رکھی جائے گی۔ ہاں اللہ کے پاک اور برگزیدہ بندے جنہیں قبروں میں تلاوت و نماز تک کی اجازت ہوتی ہے، جسم کے گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں۔ جہاں تک شہیدوں کی برزخی زندگی کا تعلق ہے، یہ اتنی واضح ہے کہ قرآن حکیم نے انہیں مردہ کہنے بلکہ مردہ خیال کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ دونوں آیتیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۵۴)

ترجمہ: ”اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں شعور نہیں“۔

۲۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۰)

ترجمہ: ”اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں، خوش ہیں اس پر جو اللہ

نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہیں ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے نہ غم"۔

اب آیئے احادیث مبارکہ کی طرف!

۱۔ حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور بیہقی نے دلائل میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی کہ حضرت عبداللہ کے بیان کے مطابق حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے پاس جا کر عرض کی 'اے اللہ! تیرا بندہ اور نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں اور جس نے ان کی زیارت کی یا انہیں سلام کہا تو قیامت تک اس کا جواب دیتے رہیں گے۔

۲۔ بیہقی نے واقدی سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب گھاٹی پر پہنچتے تو باواز بلند فرماتے:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار

ترجمہ: "تم پر سلامتی ہو اس لیے کہ تم نے مصائب پر صبر کیا اور دار آخرت انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے"۔

اور یہی معمول ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا۔ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا بھی یہاں تشریف لاتیں اور دعا فرماتیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی آکر سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے کہ ان حضرات کو سلام کرو جو تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

۳۔ بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کی ماں نے عرض کیا' یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کو معلوم ہے کہ مجھ کو حارثہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے کتنی محبت تھی' تو اگر وہ جنت میں ہو تو بتا دیجئے میں صبر کرلوں اور اگر وہ وہاں نہ ہو تو پھر بتایئے کہ میں کیا کروں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا' جنتیں بہت ہیں' وہ سب سے بلند مرتبہ جنت الفردوس میں ہے۔

نوٹ: اگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر جلوہ افروز ہو کر تمام جنتوں اور جنتیوں کو اور اہل برزخ کو جانتے ہیں، تو فرمایئے کیا جنت میں تشریف فرما ہو کر یا لحد مبارک میں جلوہ گر ہو کر ہم اہل دنیا کو جانیں تو کیا بعید ہے۔ نیز اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ قبر میں نہیں ورنہ قبروں پر تشریف لے جانے کا کیا مطلب۔ جسم کے لیے تو قبر ہی جنت بنا دی گئی اور روحوں کو دوسری جنتوں میں اڑنے پھرنے اور گھومنے کی اجازت۔ نیز جسم اور روح کا تعلق بھی قائم رہتا ہے جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا۔

۴۔ احمد، ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے ساتھی جنگ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا کہ وہ جنت کی نہروں پر آئیں اور پھل کھائیں پھر وہ ایسی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا ان نعمتوں سے بھی زائد کوئی اچھی نعمت ہے۔ تو شہید کہے گا، ہاں مولا تعالیٰ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے جسم میں میری روح واپس کر دی جائے اور پھر تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔

۵۔ حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ان کے نزدیک اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ نے اچانک سلام کا جواب فرمایا اور فرمایا، یہ جعفر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جبریل اور میکائیل علیہما السلام کے ساتھ جا رہے تھے تو ہم کو سلام کیا اور مشرکین کے ساتھ جنگ کا حال بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ میں فلاں فلاں دن مشرکین سے برسرپیکار ہوا تو میرے جسم میں تہتر نیزے اور تلوار کی چوٹیں آئیں۔ جھنڈا میرے دائیں ہاتھ میں تھا، جب وہ کٹ گیا تو میں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا، وہ بھی کٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے عوض مجھے دو بازو دیئے کہ میں جبریل و میکائیل علیہما السلام کے ساتھ پرواز کر سکوں اور جنت سے جہاں چاہوں اتر سکوں اور جنت کے پھلوں میں سے جو چاہوں کھا سکوں تو حضرت اسما رضی

اللہ عنہا نے کہا' مبارک ہو جعفر رضی اللہ عنہ کو لیکن مجھ کو خطرہ ہے لوگ اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر اس واقعے کو بیان فرمایا۔

ان تمام روایات پر غور کرنے سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ شہداء کی ارواح اگر جنت میں ہیں تو ان کی قبروں کی زیارت کس لیے۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ سیوطی علیہ الرحمتہ کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے:

حافظ ابن حجرؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ مومنینِ کی ارواح علیین میں ہیں اور کافروں کی سجین میں۔ پھر بھی ہر روح کو جسم کے ساتھ ایسا تعلق ہے جو جسمانی تعلق سے مختلف ہے۔ اس کی مثال سونے والا ہے کہ روح کا اتصال اس کے جسم سے باقی رہتا ہے بلکہ صاحب قبر سے جو اتصال ہے وہ اس اتصال سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ اس تقریر سے تمام احادیث کا ظاہری تعارض ختم ہو جاتا ہے کہ ارواح علیین میں ہوں یا سجین میں یا قبروں کے پاس لیکن ان کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ اپنے اجسام سے تعلق رکھیں اب اگر میت کو ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کریں یا اس کے اجزا منتشر ہو جائیں' تب بھی یہ اتصال باقی رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ اگرچہ کافر کو بھی برزخ میں ایک قسم کی اور ایک حد تک زندگی حاصل ہے اور ایمان والے قبروں میں اس قدر زندہ ہیں کہ سلام تک کا جواب دیتے ہیں اور صالحین کو نماز و تلاوت کی اجازت بھی ہوتی ہے۔ تاہم شہداء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہیں مردہ کہنے بلکہ سوچنے سے بھی روک دیا گیا۔ اسی عقیدے کو مزید پختہ کرنے کے لیے شہداء کو نہ تو غسل میت ہی دیا جاتا ہے اور نہ کوئی تازہ کفن بلکہ اس کے پہنے ہوئے کپڑوں میں ہی اسے جہان فانی سے ملک بقا کی طرف الوداع کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ نے شہدائے احد کے جسموں سے ہتھیار اور چمڑہ یعنی پوستین اتارنے کا حکم دے کر فرمایا:

وَاَنْ یُّدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ۔

"اور پھر انہیں ان کے کپڑوں میں خون سمیت دفن کر دیا جائے"۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

انبیاء کرام (علیہم السلام) کی حیات برزخی:

جہاں تک انبیاء کرام علیہم السلام کی برزخی زندگی کا تعلق ہے، اس میں کسی بھی صاحب ایمان کو اختلاف نہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"حیاتِ انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را درو خلاف نیست حیات جسمانی، دنیوی، حقیقی"۔

(اشعتہ اللمعات، ص ۵۷۴، ج ۱)

ترجمہ: انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی پر سب کا اتفاق ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ یہ زندگی جسمانی، دنیوی اور حقیقی ہے"۔

اس کی مزید وضاحت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے اشعار میں ملاحظہ فرمائیے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ، ان کا — جسم پر نور بھی روحانی ہے
اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف — ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی — روح ہے پاک ہے نورانی ہے
یہ ہیں حی ابدی ان کو رضا — صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

آئیے اب احادیث شریفہ کی طرف۔

۱۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک طویل حدیث کے آخر میں) فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ - (ابن ماجہ شریف)

ترجمہ: "بیشک اللہ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے سو اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے"۔

(اس حدیث کو حافظ منذری نے الترغیب والترہیب' ج ۲' دیوبندی عالم بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنہ' ج ۳' غیر مقلد قاضی شوکانی نے نیل الاوطار' ج ۳' امام زرقانی نے زرقانی علی المواہب' ج ۵' حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب' ج ۳' میں قابل اعتماد اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے)

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ - (مسند ابو یعلی موصلی' ج ۶' شفاء السقام)

ترجمہ: "انبیاء کرام زندہ ہوتے ہیں' اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں"۔

۳۔ مسلم شریف کی ایک روایت متعلقہ معراج میں سرکار عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَرَرْتُ بِقَبْرِ مُوْسٰی فَاِذَا هُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ۔

ترجمہ: "میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

۴۔ واقعہ معراج میں مشہور و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمائی۔

نوٹ: اس واقعے میں شامل ہے کہ مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبور مقدسہ میں بھی اور یونہی اس وقت آسمانوں میں بھی حضور اکرم ﷺ نے دیکھا۔ گویا محبوبان

خدا اپنی قبروں میں زندہ ہی نہیں بلکہ ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مقامات پر جلوہ افروز بھی ہو سکتے ہیں۔ گویا ان کے بدن' روح کی طرح لطیف ہوتے ہیں اس لیے ایک ہی وقت میں وہ زیادہ مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی کے مطابق حضرت جبریل علیہ السلام بیک وقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور سدرۃ المنتہی پر موجود بھی۔

۵- حجتہ الوداع میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی ازرق سے گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا' یہ کونسی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا' یہ وادی ازرق ہے۔ آپ نے فرمایا' گویا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلندی سے اترتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اور وہ بلند آواز سے اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ پھر آپ وادی ہرشی پر آئے۔ آپ نے پوچھا' یہ کون سی وادی ہے؟ لوگوں نے کہا' یہ ہرشی کی وادی ہے۔ آپ نے فرمایا' گویا میں یونس ابن متی (علیہ السلام) کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک طاقتور سرخ اونٹنی پر جس کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے' سوار ہیں۔ اونی جبہ پہنے ہیں اور وہ اللھم لبیک کہہ رہے ہیں۔ (مسلم شریف کتاب الایمان' باب الاسراء)

۶- حضرت دانیال علیہ السلام کا واقعہ۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا' دانیال علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے یہ دعا کی تھی کہ انہیں محمد ﷺ کی امت دفن کرے۔ چنانچہ جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے قلعہ تستر فتح کیا تو انہیں ان کے تابوت میں اس حال میں پایا کہ ان کے (جسم کی) تمام رگیں اور وریدیں چل رہی تھیں۔ (البدایہ والنہایہ' ج ۲) چنانچہ لشکر اسلام نے آپ کو دفن کیا۔

گویا سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود حضرت دانیال علیہ السلام کا جسم مبارک صحیح و سالم تھا۔

قرآنی دلیل:

البدایہ والنہایہ کی مذکورہ روایت کسی کو ناقابل یقین نظر آئے تو حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے وصال شریف کے واقعے پر جو قرآن پاک میں مذکور ہے، غور کرے۔

ہوا یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے کھڑے جنات سے بیت المقدس کی تعمیر کرا رہے تھے کہ اسی حال میں روح مبارک قبض کی گئی۔ مفسرین کے نزدیک ایک سال تک حضورؑ کھڑے رہے اور جنات کو آپ کے وصال شریف کا علم نہ ہو سکا۔ ان کے خیال میں آپ حسب سابق نگرانی فرما رہے تھے کہ دیمک نے آپ کا عصا اس حد تک کھا لیا کہ حضرت کا جسم مبارک زمین پر آ رہا۔ اب ان پر حقیقت حال کھلی۔ قرآن پاک فرماتا ہے:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ (السبا - ۱۴)

ترجمہ: "پھر جب ہم نے ان پر موت واقع کر دی تو جنات کو ان کی موت پر کسی نے رہنمائی نہ کی سوا دیمک کے کیڑوں کے جو ان کے عصا کو کھاتے رہے۔ جب (اس وجہ سے) آپ گرے تو جنوں کو معلوم ہو گیا کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو ذلت کے عذاب میں (اتنی دیر) مبتلا نہ رہتے۔

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برزخی زندگی

اے خضر زندگی ز حیات النبی طلب

آب حیات تشنہ کام محمد است

اوپر تفصیل سے بیان ہو چکا کہ شہدا، صالحین اور خصوصاً انبیاء و رسل علیہم

السلام اپنی مقدس قبروں میں زندہ ہیں بلکہ خدا کے دشمن بھی جو عذاب کے مستحق ہیں کچھ شعور اور علم و ادراک رکھتے ہیں جو ان کی برزخی زندگی کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگوں کا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مقدس میں زندہ نہ ماننا کتنے ظلم کی بات ہے۔ ذرا سوچئے سرور عالم ﷺ کے دین، تعلیم یا عزت پر کٹ مرنے والا ایسا زندہ ہو کہ اسے مردہ کہنے بلکہ مردہ تصور کرنے سے بھی قرآن پاک روک دے اور وہ ذات پاک جس کے صدقے میں یہ زندگی میسر ہوئی، اسے معاذاللہ .... سمجھ لینا توحید کا لازمی تقاضا قرار پائے، کتنی خلاف عقل و ایمان بات ہے۔

اس کے علاوہ حضور پرنور ﷺ خود شہید بھی ہیں کیونکہ آپ کا وصال شریف اس زہر کی بنا پر ہوا تھا جو تین سال قبل خیبر میں آپ کو دیا گیا تھا اور جس کے اثر سے ایک صحابی حضرت بشیر بن براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) اسی وقت شہید ہو گئے تھے۔ (بخاری و بیہقی)

پھر نبی ہونے کی وجہ سے بھی آپ زندۂ جاوید ہیں جیسا کہ مذکورہ احادیث کی رو سے ہر نبی زندہ رہتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ و علیہم وسلم)

حضور ﷺ کی زندگی کا امتیازی پہلو:

یوں تو ہر نبی و رسول علیہ السلام قبر میں زندہ ہوتا ہے، نماز و حج وغیرہ ادا کرتا ہے تاہم حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امتیازی و انفرادی شان رکھتی ہے اور وہ یہ کہ آپ کے سوا کوئی بھی حیات بالذات سے متصف نہیں ہے۔ خالق حیات نے اپنے خصوصی فضل سے آپ کو اصل حیات، جان حیات بلکہ مدار حیات بنایا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان آپ برزخ کبریٰ ہیں۔

ادھر اللہ سے واصل، ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

ہر نعمت اولیٰ حضور اکرم ﷺ کو ملتی ہے اور پھر حضور ﷺ کے وسیلے سے

دوسروں تک پہنچتی ہے' جیساکہ بخاری شریف میں وارد ہے۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ الْمُعْطِی

ترجمہ: "میں ہی (ہر نعمت کا) تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ہی (ہر نعمت کا) عطا فرمانے والا ہے"۔

یونہی نعمت وجود بھی دوسروں کو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہی حاصل ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُّوْرِیْ خَلَقَ جَمِیْعَ الْکَائِنَاتِ۔

ترجمہ: "سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا"۔ (المیلاد النبوی از علامہ ابن جوزی)

اور حدیث تقسیم نور جسے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب "نشر الطیب" میں سب سے پہلے درج فرمایا اس کا ابتدائی حصہ یوں ہے:

"عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجئے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا کی۔ آپ نے فرمایا' اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنیٰ کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ آگے تصریح ہے کہ مختلف چیزوں کو اسی نور کے فیض سے پیدا فرمایا۔

پھر قرآن پاک کی رو سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے یعنی سب عالمین کے لیے رحمت۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ سب جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو آپ کا وجود مسعود عالمین سے پہلے ہونا چاہیے اور جب تک عالمین موجود رہیں' آپ کو بھی واسطہ رحمت و فیض بننے کے لیے موجود رہنا چاہیے تاکہ عالمین کسی وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان سے محروم نہ رہیں۔ اسی وجہ سے آپ سب کے محتاج الیہ (۵)

ہیں۔ یعنی اللہ سب کا خالق و مالک اور غنی ہے تو حضور ﷺ سب کی ضرورت۔ مولانا روم قدس سرہ فرماتے ہیں:

زانکہ ذاتش ہست محتاجٌ الیہ

زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ

ترجمہ: "چونکہ حضور پر نور ﷺ کی ذات پاک محتاج الیہ ہے (کہ سب کو آپ کی حاجت ہے) اس لیے حق تعالیٰ نے آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے (تاکہ یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ ہر ایک کی خیر حضور ﷺ سے وابستہ ہے)

عالمین سے پہلے ہونے اور آخر تک رہنے کی وجہ سے مخلوق کی حد تک حضور ﷺ اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ حضرت اقبال نے خوب فرمایا:

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر

وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

منصب رسالت کا تقاضا:

رسالت گویا مخلوق تک خدا کا پیغام پہنچانے کا منصب ہے۔ رسول وہ ہے جسے پیغام دے کر بھیجا جائے اور جن کی طرف بھیجا جائے وہ ہیں مرسل الیہم۔ ظاہر ہے جب تک رسول کا مرسل الیہم کے ساتھ مخصوص قسم کا رابطہ نہ ہوگا، رسالت کے تقاضے کیونکر پورے ہوں گے۔ ہمارے رسول ﷺ ساری مخلوق کی طرف رسول ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً (مسلم شریف)

ترجمہ: "میں ساری خلقت کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔

لہٰذا حضور ﷺ کا اللہ کی ساری مخلوق سے رابطہ رہنا ضروری ہے۔ جب سے رسول ہیں، اسی وقت سے رابطہ ہے اور جب تک رسول ہیں، یہ رابطہ قائم رہے گا۔ یہ رابطہ علمی بھی ہونا چاہیے عملی بھی اور چونکہ عالم ارواح، عالم اجسام، عالم برزخ اور

عالم آخرت کے بیک وقت رسول ہیں لہٰذا یہ علمی و عملی رابطہ بھی ہر وقت ہر ایک سے ہونا چاہیے۔ چنانچہ حضور پرنور ﷺ جب عالم ارواح میں جلوہ افروز تھے، عالم اجسام (یعنی دنیا) کے ساتھ آپ کے رابطے کا کیا عالم تھا، عم رسول حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے اشعار میں اس کا جواب تلاش کریں۔ ہوا یہ کہ حضور پرنور ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور کی مدح خود طاعت ہے اس لیے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو سالم رکھے۔ انہوں نے یہ شعر آپ کے سامنے پڑھے۔ (نشر الطیب) ان کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت میں تھے، پھر آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر تشریف لے آئے، حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے، پھر نار خلیل میں داخل ہوئے، اسی لیے وہ سرد ہو گئی۔ یونہی مختلف صلبوں اور رحموں میں جلوہ گر ہوتے ہوئے آخر دنیا میں رونق افروز ہوئے اور ساری زمین آپ سے منور ہو گئی۔

یہ حدیث پاک مضمون کی ابتدا میں گزر گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبر میں جلوہ افروز ہوتے ہیں اور آپ کے بارے میں بھی نکیرین مردے سے سوال کرتے ہیں۔ اب چونکہ حضور پرنور ﷺ خود برزخ میں ہیں لہٰذا سوال کے وقت مردوں کی قبروں میں آپ کا تشریف لانا گویا برزخ سے برزخ میں تشریف لانا ہے، مگر اس وقت جب حضور اکرم ﷺ دنیا میں جلوہ گر تھے، اس وقت بھی تو مردے کے سوال کے وقت اس کی قبر میں تشریف فرما ہوتے تھے اور وہ تھا عالم اجسام (دنیا) سے عالم برزخ میں قدم رنجہ فرمانا۔

مختصر یہ کہ رسول کا مرسل الیہم کے ساتھ رابطہ منصب رسالت کا ضروری و بدیہی تقاضا ہے اور حضور پرنور ﷺ چونکہ تمام عالمین کے رسول ہیں لہٰذا آپ کا ہر عالم سے ہر وقت رابطہ ہے۔ ظاہر ہے زندگی کے بغیر رابطہ کیسا--- گویا رسول ہونے کا اولین تقاضا یہی ہے کہ حضور ﷺ زندہ ہیں، ایسے زندہ کہ کائنات کا ہر ذرہ پیش نظر

بھی ہے اور اس میں تصرف کا اختیار بھی۔

امت پر خصوصی نظر کرم:

جب رحمتہ للعالمین اور نذیر للعالمین ہونے کے ناتے حضور پرنور ﷺ ساری کائنات سے علمی و عملی رابطہ رکھے ہوئے ہیں تو اپنی امت پر حضور پرنور ﷺ کی توجہ کا کیا عالم ہو گا جن کے لیے خصوصی طور پر آپ سراپا کرم ہیں جیسا کہ قرآن گواہی دیتا ہے:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

بلکہ آیئے ساری آیت پر غور کریں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

ترجمہ: "بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظمت والے رسول تشریف لائے' ان پر سخت گراں ہے تمہارا مشقت میں پڑنا۔ بہت چاہنے والے ہیں تمہاری بھلائی کو' ایمان والوں پر نہایت مہربان بے حد رحم فرمانے والے ہیں"۔

اس میں عزیز علیہ ما عنتم (یعنی گراں ہے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا) کا جملہ کتنی وضاحت سے حضور اکرم ﷺ کے اس رابطے اور توجہ کو جو امت کے شامل حال ہے بیان فرما رہا ہے یعنی مومنوں کو جس مشقت سے (جہاں بھی اور جب بھی) دوچار ہونا پڑے حضور اکرم ﷺ کو گراں گزرتی ہے۔ مومن کہیں بھی ہوں' دنیا کے دور دراز گوشوں میں ہوں یا مدینہ منورہ کے قریب' عالم اجسام میں ہوں یا عالم برزخ میں' کسی قسم کی ذہنی و فکری' مالی و معیشی' ظاہری و باطنی پریشانی میں مبتلا ہوں' حضور پرنور ﷺ کو اس سے دکھ ہوتا ہے۔ کیوں' اس لیے کہ وہ ہیں

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (یعنی بہت ہی خواہشمند تمہاری بھلائی کے)

اور بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (یعنی مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والے، بہت رحم فرمانے والے)

پھر تفسیر قرطبی کے مطابق دیکھا جائے تو آیت میں خطاب سب اہل جہان سے ہے اور عزیز علیہ ماعنتم سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کا بھی مشقت میں پڑنا حضور اکرم ﷺ پر گراں گزرتا ہے۔ نیز حریص علیکم کی روشنی میں آپ ساری انسانیت کی بھلائی کے خواہشمند ہیں، جب سب کے ساتھ آپ کے مشفقانہ فکر و عمل کا یہ حال ہے تو اپنے غلاموں پر کیا کرم ہوگا۔ چنانچہ بالمومنین روف رحیم یعنی اہل ایمان پر تو کمال مہربان ہیں۔

غور فرمائیے یہ سب صفات ہیں رسول ہونے کی حیثیت سے، سو جب تک وہ رسول ہیں سارے انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر تو بے حد شفیق ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کی شفقت، رافت و رحمت کا تقاضا آپ کا زندہ ہونا ہی نہیں بلکہ سب کے حال سے آگاہ ہونا اور ان کے دکھ درد دور کرنے کا اختیار رکھنا بھی ہے۔

قرآن پاک پر غور فرمائیں تو مومن کا ایمان بھی اللہ کی توفیق اور حضور سرور عالم ﷺ کی برکت و توجہ پر منحصر ہے۔ بلکہ اللہ کی توفیق کا ظہور بھی حضور پرنور ﷺ کی برکت و توجہ کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ یعنی حضور ﷺ کسی کو برکت و توجہ سے نواز کر کفر و شرک یا معصیت وغیرہ سے پاک کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ اسے توفیق ہدایت و صالحیت دے چکا۔ جس طرح رسول اپنے منصب کے اعتبار سے اللہ کا مظہر ہے، رسول کی رضا اللہ کی رضا کی مظہر اور اس کا ارادہ اللہ کے ارادے کا مظہر، (۷) یونہی اس کی برکت و توجہ اللہ کی توفیق کی مظہر ہوتی ہے۔

آیئے اس کا فیصلہ قرآن پاک سے لیں۔ سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۲۔ ۳ دیکھئے:

هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○

ترجمہ: "وہی جس نے امی لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والے) رسول کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتے ہیں اور بیشک وہ لوگ (ایمان لانے سے) پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے اور ان میں سے دوسروں کو (بھی علم و حکمت سکھاتے اور پاک کرتے ہیں) جو ابھی ان (پہلے لوگوں) سے نہیں ملے اور وہی (اللہ) بڑا غالب بڑا حکمت والا ہے"۔

اب اتنی وضاحت کے بعد کیا اس حقیقت میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قیامت تک جو پاک ہو گا حضور اکرم ﷺ ہی کی نظر رحمت سے پاک ہو گا۔ حضور پرنور ﷺ زندہ ہی نہیں اللہ کے فضل و کرم سے دلوں کو بدعقیدگی اور بد نظری و بد عملی سے بچاتے بھی ہیں اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا یہ تصرف اللہ جل مجدہ کے ارادے اور توفیق کا مظہر ہے۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا عقیدہ:

محمد نیاز الدین خاں مرحوم کے نام ایک خط میں حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت مبارک ہو۔ اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ دوسری رویا کا بھی مفہوم یہی ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نسبت پیدا کرے۔ اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرات کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ

بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے۔

(مکاتیب اقبال' ص ۴۰' بنام محمد نیاز الدین خاں)

علاوہ ازیں حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے قاضی عبدالمجید قریشی صاحب کو چار خوش نصیب انسانوں کے ایمان لانے کی کہانیاں سنائیں جن میں سے چوتھی کہانی کی تمہید یوں بیان فرمائی:

پہلے تمہید سن لیجیے' ڈاکٹر اقبال نے فرمایا' شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تبلیغ دین نہیں فرماتے۔ ایسا سمجھنا مذہب عشق میں داخل خطاکاری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قوت ایسی نہ تھی جسے وقتی یا زمانی سمجھا جائے۔ حضور ﷺ قیامت تک کے لیے پیشوائے انسانیت ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قوت قیامت تک کارفرما رہے گی۔ حضور ﷺ کا جلال بھی قیامت تک کارفرمائی کرے گا اور جمال بھی۔ آپ قیامت تک کے مجاہد' قیامت تک کے مبلغ ہیں' قیامت تک کے مصلح ہیں اور قیامت تک رحمتہ للعالمین ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بہت دور تک۔ (علامہ اقبال کی چار ایمان افروز سچی کہانیاں' از قاضی عبدالمجید قریشی--- ماہنامہ "انوار لاثانی' اپریل ۱۹۹۰ء)

ساری امت متفق ہے صرف حضرت اقبال نہیں۔ کئی مسائل و عقائد میں باہمی اختلافات کے باوجود امت مسلمہ حضور پرنور ﷺ کے زندہ و متصرف ہونے پر ہمیشہ متفق رہی ہے۔ دیکھئے برکت المصطفے فی دیار الہند یعنی شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کیا فرماتے ہیں:

باچندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است' یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظرو

مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی۔ (سلوک اقرب السبل بالتوجہ الی سید الرسل مع اخبار الاخیار، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۶۱)

ترجمہ: امت کے علماء میں اتنے اختلافات اور کثرت مذاہب کے باوجود کسی ایک شخص کو بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ دائم و باقی ہیں۔ آپ کی زندگی میں مجاز کی آمیزش اور تاویل کا وہم بھی نہیں۔ حضور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر بھی ہیں نیز حقیقت کے طالبوں اور حضور کی طرف توجہ کرنے والوں کو سرکار فیض و تربیت سے نوازتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

رسالت اور شہادت:

اس مضمون کو ایک اور طرح سے بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ حضور پرنور ﷺ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ شاہد اور شہید بھی ہیں بلکہ شہادت کا رسالت کے ساتھ ایسا اہم اور لاینفک تعلق ہے کہ ذکر رسالت کے بعد بعض آیات میں اسی کا ذکر دوسرے اوصاف سے مقدم رکھا گیا ہے مثلاً سورۃ الفتح کے پہلے رکوع کی ایک آیت کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا---الخ

ترجمہ: "بیشک ہم نے بھیجا تمہیں شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر"۔

گویا حضور ﷺ چونکہ رسول ہیں، اس لیے شاہد ہیں اور چونکہ شاہد ہیں لہٰذا مبشر اور نذیر بھی ہیں یعنی رسول ہونے کی وجہ سے شاہد ہیں تو جس جس کی طرف رسول بن کر آئے ہیں، اس اس کے شاہد (یعنی گواہ) ہیں بلکہ اس کے ماضی و حال، جلوت و خلوت اور دنیا و عاقبت تک کو مشاہدہ فرماتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ آپ کے مشاہدے میں ہے لہٰذا اچھے انجام اور برے انجام کی گواہی گویا مشاہدے کی بنا پر دیتے ہیں اور یوں مبشر اور نذیر بننے کا حق انہی کو ہے۔

حضور اکرم ﷺ گواہی کیونکر اور کب دیں گے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر دیکھیے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○ (النساء:۴۱)

ترجمہ: "تو کیسی (شان) ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محبوب) تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے"۔

ہر امت کے نیک و بد پر گواہ اس کا نبی ہو گا اور سب اولین و آخرین پر گواہ سب کے رسول حضور سرور عالم ﷺ ہوں گے۔ اس گواہی کا تقاضا ہے کہ ہر فرد کائنات کے تفصیلی حالات حضور شافع محشر ﷺ کے سامنے ہوں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔ آپ سورۃ البقرہ کے ایک جملے

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ○ (البقرہ: ۱۴۳)

ترجمہ: "اور ہوں یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول علیہ السلام مطلع است بہ نور نبوت بر دین ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی مجوب ماندہ است کدام است۔ پس اوی شناسد گناہان شمار او درجات ایمان شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ لہٰذا شہادت او بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل ست۔ (تفسیر عزیزی)

ترجمہ: "رسول اکرم ﷺ اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں یعنی یہ کہ دین کے کس درجے میں ہیں اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور یہ کہ کون سا حجاب اس کی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے اچھے برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں اس لیے ان کی گواہی امت کے حق میں قبول و واجب ہے"۔

مفتی محمد خان قادری

(ان سے پہلے علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ بھی اپنی تفسیر روح البیان میں یہی کچھ فرما چکے ہیں (یعنی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے گویا انہی کی عربی عبارت کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے)

امت کی نگہبانی:

زبان عربی کے ماہرین جانتے ہیں کہ شہادت کے ساتھ "ل" آئے تو کسی کے حق میں گواہی دینا مقصود ہوتا ہے اور "علیٰ" آئے تو خلاف گواہی دینا۔ ان آیات میں حضور اکرم ﷺ کے لیے علی ھٰؤلاء شھیدا اور علیکم شھیدا کے الفاظ سے سوال پیدا ہوتا ہے کیا معاذ اللہ حضور ﷺ اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ تو مفسرین اس کے جواب میں فرماتے ہیں "علیٰ" سے خلاف گواہی دینا مراد نہیں بلکہ اس میں رقیب (یعنی محافظ و نگہبان) کا مفہوم شامل کرنے کے لیے ایسا ہوا ہے کیونکہ رقیب کا صلہ علیٰ ہے۔ اسی لیے مجدد ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے شہید کا ترجمہ کیا ہے "گواہ و نگہبان"۔

سیدنا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ النورانی حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی نگہبانی امت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"نوم در حق آنسرور علیہ الصلوۃ والسلام ناقض طہارت نگشت، چون نبی در رنگ شبان در محافظت امت است۔ غفلت شایان منصب نبوت او نباشد۔

ترجمہ: "نیند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں توڑ سکتی۔ چونکہ نبی اپنی امت کی حفاظت اس طرح کرتا ہے جیسے چرواہا (اپنی ریوڑ کی) لہٰذا غفلت آپ کے منصب نبوت کے لائق نہیں"۔

ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی امت کی نگہبانی فرماتے ہیں یقیناً اسی لیے امت کی اکثریت راہ حق پر رہی اور رہے گی۔ چنانچہ ایک جگہ خود والی امت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ

(ابن ماجہ شریف)

ترجمہ: "بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ (جو مسلمانوں کی) جماعت سے الگ رہا وہ الگ دوزخ ہی میں جائے گا"۔

ایک اور جگہ فرمایا:

لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ وَیَدُاللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (مشکوۃ شریف)

ترجمہ: "میری امت گمراہی پر کبھی اکٹھی نہ ہوگی اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے جو جماعت سے الگ ہوا وہ الگ ہو کر دوزخ میں جائے گا"۔

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے" اس جملے پر غور فرمایئے اور یہ بھی ذہن میں رکھے کہ قرآن پاک نے اس منظر کی نقشہ کشی جب حضور انور ﷺ کا دست مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر تھا' یوں فرمائی:

یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ (سورۃ الفتح)

ترجمہ: "ان (صحابہ) کے ہاتھوں پر (بظاہر گو مصطفیٰ کا ہاتھ ہے مگر اصل میں) اللہ کا ہاتھ ہے"۔

یہی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے تو یقیناً حضور پر نور ﷺ کی امت اجتماعی طور پر گمراہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کچھ لوگ ضرور گمراہ ہوئے' گمراہ ہیں اور گمراہ ہوں گے۔ بالخصوص ایسے لوگ جو کلمہ پڑھنے کے باوجود حضور اکرم ﷺ سے بے نیاز اور منقطع ہو جاتے ہیں اور بد بختی سے یہ عقیدہ اختیار کر لیتے ہیں کہ اللہ کا رسول ﷺ نہ ہمارے حالات سے باخبر ہے اور نہ ہماری بگڑی بنا سکتا ہے اور نہ ہی ایمان کی حفاظت اور عمل صالح کی توفیق میں ان کی برکت کا کوئی دخل ہے۔ (معاذ اللہ) ان بد نصیبوں کو اس ایمانی حقیقت کا علم نہیں کہ حضور ﷺ سے پھرنا اللہ سے پھرنا اور حضور اکرم ﷺ کا کسی سے منہ پھیر لینا اللہ کی رحمت کا اس سے پھر جانا ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

کافران سے کیا پھرا، اللہ اس کا ہو گیا — مومن ان کا کیا ہوا، اللہ ہی سے پھر گیا
وہ کہ اس در سے پھرا، اللہ اس سے پھر گیا — وہ کہ اس در کا ہوا، خلق خدا اس کی ہوئی

یہ کوئی دقیق فلسفے کی بات نہیں بلکہ رسالت کا سیدھا سادا تصور جو قرآن پاک نے دیا ہے، یہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا ○

ترجمہ: "وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے تو اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ سے کوئی راہ نکال لیں۔ یہی ہیں ٹھیک کافر اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

ایک عبرتناک واقعہ:

یہ واقعہ غوث زماں حضرت سید عبدالعزیز دباغ مغربی رضی اللہ عنہ جو معرفت اور علم لدنی کے بحر زخار تھے، کا بیان فرمودہ ہے اور ان کے ملفوظات کی کتاب "الابریز شریف" میں موجود ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"ایک بد نصیب کا واقعہ ہے کہ کہنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو مجھے صرف ایمان کی راہ دکھائی ہے۔ باقی رہا نور ایمان سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نہیں (یعنی معاذ اللہ نور ایمان کے حصول و وجود میں، میں صرف اللہ کا احسان مند ہوں، نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا نہیں) صالحین نے اس سے کہا، اچھا اگر ہم اس تعلق کو جو تمہارے نور ایمان اور نور محمدی کے درمیان ہے منقطع کر دیں اور محض

ہدایت کو جس کا تم ذکر کر رہے ہو، رہنے دیں تو کیا اس پر راضی ہو؟ کہنے لگا' ہاں راضی ہوں۔ ابھی اس نے بات ختم نہ کی تھی کہ اس نے صلیب کو سجدہ اور اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر پر مرا۔ خدا اپنے فضل و کرم کے سائے میں رکھے"۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے سے پہلے حضرت دباغ رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا' وہ بھی قارئین کی نذر کیا جائے۔ (اردو ترجمہ خزینہ معارف از ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب' ص ۷۷-۳۷۶)

حضرت نے فرمایا: میں نے جو تشریح ان رموز کے معانی کی کی ہے' وہ کشف و مشاہدہ کے ذریعے اہل کشف کو معلوم ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تمام خداوندی عنایات و کرامات کے ساتھ جو اوروں کی طاقت سے باہر ہیں مشاہدہ کرتے ہیں اور دیگر مخلوقات کو جن میں انبیاء فرشتے وغیرہ شامل ہیں اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے' مشاہدہ کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سید الوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکل کر وہ نور کے ڈوروں میں تمام مخلوق کی طرف جاری ہے اور انبیاء اور فرشتوں تک پھیلا ہوا ہے' اس طرح یہ اہل کشف اس استفادے کی عجیب و غریب کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت نے (مزید) فرمایا: ایک صالح شخص نے کھانے کے لیے روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں وہ نعمت نظر آئی جو بنی آدم کو عطا کی گئی ہے تو اس روٹی میں نور کا ڈورا نظر آیا۔ اس نے نور کا پیچھا کیا۔ دیکھا تو وہ اس نور کے ڈورے سے ملا ہوا تھا جو نور محمدی سے جا ملا تھا۔ پھر دیکھا کہ یہ نور کا ڈورا ایک ہے۔ پھر تھوڑی دور تک جا کر ڈوروں کی متعدد شاخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ ہر شاخ اس نعمت سے ملی ہوئی تھی جو ان ذوات کو عطا کی گئی تھیں۔

مولف (۸) کہتا ہے' یہ قصہ خود حضرت کا اپنا ہے رضی اللہ عنہ اور ہمیں بھی آپ کی جماعت اور گروہ سے بنائے اور ہمارا تعلق کبھی ان سے منقطع نہ ہو۔

عبرتناک واقعے سے پہلے کی عبارت آپ نے دیکھ لی اور اس (واقعے) کے بعد آپ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اولیاء تو ایک طرف' انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی جو

احوال و مقامات ملتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے ہو کر ان تک پہنچتے ہیں۔

حضور پر نور ﷺ کا ہمیشہ سننا اور دیکھنا:

اس حقیقت کو کہ حضور پر نور ﷺ روضہ پر نور میں زندہ ہیں اور متواتر سنتے دیکھتے ہیں، واقعہ شق صدر سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"علاوہ ازیں شق صدر مبارک میں ایک حکمت بلیغہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام کے لیے حضور ﷺ کی حیات بعد الموت پر دلیل قائم ہو گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عادتاً بغیر روح کے جسم میں حیات نہیں ہوتی لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مقدسہ قبض روح کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ چونکہ روح حیات کا مستقر قلب انسانی ہے لہٰذا جب کسی انسان کا دل اس کے سینے سے باہر نکال لیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا لیکن رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک سینہ اقدس سے باہر نکالا گیا، پھر اسے شگاف دیا گیا اور وہ منجمد خون جو جسمانی اعتبار سے دل کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، صاف کر دیا گیا اس کے باوجود بھی حضور علیہ السلام بدستور زندہ رہے جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قبض روح مبارک کے بعد بھی حضور ﷺ زندہ ہیں کیونکہ جس کا دل بدن سے باہر ہو اور وہ پھر بھی زندہ ہے، اگر اس کی روح قبض ہو کر باہر ہو جائے تو وہ کب مردہ ہو سکتا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے شق صدر مبارک کے بعد قلب اطہر کو جب زمزم کے پانی سے دھویا تو فرمانے لگے:

قَلْبٌ سَدِيْدٌ فِيْهِ عَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ۔

(فتح الباری، جلد ۱۳، ص ۴۱۰)

ترجمہ: "قلب مبارک ہر قسم کی کجی سے پاک ہے اور بے عیب ہے۔ اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں"۔

قلب مبارک کے یہ کان اور آنکھیں عالم محسوسات سے وراء الوراء حقائق کو دیکھنے اور سننے کے لیے ہیں جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ۔

ترجمہ: "میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے"۔

جب اللہ تعالٰی نے بطور خرق عادات حضور علیہ السلام کے قلب اطہر میں آنکھیں اور کان پیدا فرما دیئے ہیں تو اب یہ کہنا کہ وراء عالم محسوسات کو حضور علیہ السلام کا دیکھنا اور سننا احیاناً (کبھی کبھی) ہے، دائمی نہیں قطعاً باطل ہو گیا"۔

نماز میں سلام:

حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کے بارے میں حیات اور سمع و بصر کے اسی عقیدے کو مضبوط اور آپ ﷺ کے ساتھ امت کے رابطے کو تازہ رکھنے کے لیے عین نماز کی حالت میں بارگاہ نبوت میں سلام عرض کرنا واجب قرار دیا گیا ہے جبکہ کسی دوسرے سے بولنا تو کجا اسے اشارہ کرنے سے بھی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ پھر یہ سلام صیغہ خطاب کے ساتھ ہے یعنی

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

ترجمہ: "سلام ہو آپ پر یا نبی اور اللہ کی رحمت و برکات"۔

اور غور کریں تو یہی مفہوم ہے 'اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' کا۔

اس پر تقریباً تمام امت متفق رہی ہے کہ بارگاہ رسول ﷺ میں حاضری کے وقت اسی طرح خطاب کے صیغوں کے ساتھ صلوۃ و سلام عرض کرنا چاہیے چنانچہ یہاں (پاکستان اور دوسرے ممالک میں) جو لوگ درود ابراہیمی ہی کو درود واحد سمجھتے ہیں، جالی مبارک کے سامنے وہ بھی درود ابراہیمی کی بجائے

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَتْمَ الْمُرْسَلِیْن

جیسے صیغوں کے ساتھ درود و سلام عرض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حکومت سعودی عرب کی طرف سے آداب حج و زیارت کے بارے میں جو کتابچے شائع کیے جاتے ہیں ان میں بھی انہی صیغوں کے ساتھ درود و سلام پڑھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔۔۔ ایسے لوگوں کا تصور یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مقدسہ میں وہاں کے حاضرین کا درود و سلام خود سنتے ہیں۔ دور سے معاذ اللہ حضور ﷺ سن نہیں سکتے بلکہ فرشتوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ اگر انکار کرنے والوں کی یہ دلیل درست ہو تو نماز میں بھی انہیں السلام علیک ایھا النبی نہیں کہنا چاہیے۔ کیا یہ حقیقت کھل کر سامنے نہیں آتی کہ ان کا عقیدہ اور ہے' نماز کا منشا اور ہے۔ اگر نماز کے کسی ایک جملے ہی سے سہی، کسی کو اختلاف ہے تو کہا جا سکتا ہے اسے پوری نماز سے اختلاف ہے (جیسے ایک نبی علیہ السلام کا انکار سب نبیوں (علیہم السلام) کا انکار اور جیسے ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار' یونہی جو نماز سب امت کو سکھائی گئی' اس کے ایک جملے کا انکار ساری نماز کا انکار ٹھہرنا چاہیے) پھر جب یہ ثابت ہے کہ نماز حضور پرنور ﷺ نے سکھائی ہے اور التحیات جس میں یہ سلام ہے قرآن پاک کی سورتوں کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا گیا۔ (مسلم شریف' ج۱) تو ظاہر ہے السلام علیک ایھا النبی کے الفاظ سے جلنے والا حضور پرنور ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا' اگر واقعہ یہی صورت حال ہے تو اسے قرآن کے فتوے پر غور کرنا چاہیے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (النساء:۶۵)

ترجمہ: "تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب

تک اپنے آپس کے جھگڑوں میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں"۔ (کنز الایمان)

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ہم السلام علیک ایھا النبی خالی الذہن ہو کر کہتے ہیں یعنی الفاظ کے مفہوم کی طرف توجہ نہیں ہوتی تو یہ بھی وہی انکار کی صورت ہوئی۔ جان بوجھ کر نماز میں توجہ نہ کرنا تو منافقانہ حرکت ہے اور نماز سکھانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدم اتفاق یا ان پر عدم اعتماد۔

بعض حضرات نے بچنے کی صورت یہ نکالی ہے کہ حکایتاً پڑھتے ہیں یعنی اللہ نے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام انہی الفاظ میں فرمایا تھا لہٰذا اسے حکایت معراج کے طور پر کہتے ہیں، اپنی طرف سے بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سلام عرض کرنا انہیں مقصود نہیں ہوتا۔ ان کی اس دلیل میں بھی کوئی جان نہیں۔۔۔ ایک تو اس لیے کہ اگر خدا کی سنت پر عمل کر کے سلام کہہ رہے ہیں تو خدا نے یہ جان کر سلام فرمایا تھا کہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتے ہیں۔ اسے بھی یہ جان کر سلام عرض کرنا چاہیے کہ حضور سنتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) دوسرے اس لیے کہ جہان بھر کی تمام آوازوں سے خدا کی آواز (جسے آواز کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے) سب سے زیادہ لطیف ہے اور اس کا سننا سب سے مشکل، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس کا سننا بھی آسان ہے تو کسی اور کا کیا مشکل۔ بقول دائم مرحوم ؎

بولی بندے دی اونہاں نوں کی کیہ مشکل جیہڑے رب دی رہن گفتار سن دے
زندہ باد حیات النبی دائم پیہم دیکھ دے تے لگاتار سن دے

یونہی سوچئے جس طرح خدا کی لطیف ترین ندا سننے والے کے لیے یقیناً کائنات کی کوئی پکار اور آواز سننا بھی مشکل نہیں، اسی طرح جسے اپنے خدا کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کی صلاحیت حاصل ہے، اس ذات پاک سے کائنات کی کون سی چیز مخفی رہ سکتی ہے۔ بقول اعلیٰ حضرت قدس سرہ

اور کوئی غیب کیا، تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پر کروڑوں درود

یاد رہے کائنات کی چیزیں زیادہ سے زیادہ "غیب" ہو سکتی ہیں اور خدا ہے غیب الغیب (یعنی غیب کا بھی غیب) سو جو غیب الغیب تک کو دیکھ لیتا ہے، اسے غیب کو دیکھنا کیا شکل، اور یقیناً وہ حضور دانائے غیوب ہیں۔

عالم الغیب نے ہر غیب سے آگاہ کیا
صدقے اس شان کی بینائی و شنوائی کے
دیکھنے والے ہیں وہ رات کی تاریکی میں
کان میں سمع کے اور آنکھ میں بینائی کے

(حضرت حسن رضا بریلوی)

تیسرے یوں بھی کہ بزرگان دین نے تصریح فرمائی کہ نماز پڑھنے والا حکایت معراج کے طور پر نہ کہے بلکہ خود سلام عرض کرنے کی نیت سے عرض کرے۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

اَحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكَرِیْمَ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

ترجمہ: "اپنے دل میں نبی کریم اور آپ کی شخصیت مقدسہ کو حاضر جان لے اور کہہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

لَا یَقْصِدُ الْاِخْبَارَ وَالْحِكَایَةَ عَمَّا وَقَعَ فِی الْمِعْرَاجِ مِنْهُ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَمِنَ الْمَلٰئِكَةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ۔ شامی، ج ا، ص ۴۷۸)

ترجمہ: "نمازی تشہد میں اس واقعہ کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ کرے جو

معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا"۔

اس سلسلے میں حرف آخر کے طور پر شیخ محقق حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا ارشاد عالی بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اشعۃ اللمعات باب التشہد میں فرماتے ہیں:

وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا انوار قرب اسرار معرفت منور و فائض گردد ۔

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیان و دعای فرستمت

ترجمہ: "بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ التحیات میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ہر ذرے اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے لہٰذا حضور ﷺ نمازیوں کی ذات میں بھی موجود حاضر ہیں۔ نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے نور و فیض بخشیں۔

شعر کا مفہوم: عشق کی راہ میں دور و نزدیک کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ اے محبوب میں تجھے ظاہر دیکھتا ہوں اور تجھے دعا بھیجتا ہوں۔

حیرت کی بات ہے کہ نواب صدیق الحسن بھوپالی جو غیر مقلدین کے اہم امام ہیں، "مسک الختام فی شرح بلوغ المرام" میں بالکل یہی عبارت لکھتے ہیں، حتیٰ کہ حضرت شیخ نے آخر میں جو شعر درج فرمایا ہے، اسے بھی بھوپالی صاحب نے من و عن قبول فرمالیا ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ عشق ہو تو دور و نزدیک کی بحث ہی غلط ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ ایسے قریب ہیں کہ میں بالکل ظاہر دیکھتا

ہوں۔ اب شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا جوش عشق بھی ملاحظہ ہو ۔

باخدا در پردہ گویم' باتو گویم آشکار

یارسول اللہ او پنہاں و تو پیدائے من

ترجمہ: یارسول اللہ! میں خدا سے "در پردہ" بات کرتا ہوں اور آپ سے ظاہرا۔ اس لیے کہ وہ مجھ سے پوشیدہ ہے اور آپ مجھ پر ظاہر ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضور پرنور ﷺ دور سے نہیں سن سکتے (نجانے انہوں نے دور و نزدیک کی کیا حد مقرر کر رکھی ہے) البتہ ان کے نزدیک فرشتے درود و سلام حضور کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور ان کے خیال میں فرشتوں کا یوں درود سلام حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنا بھی اسی لیے ہے کہ حضور پرنور ﷺ دور کی آواز سن نہیں سکتے۔ سوال یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں بھی فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں (۹) تو کیا یہ نتیجہ نکال لینا درست ہو گا کہ خداوند کریم بھی خود بندوں کی آوازوں کو سن نہیں سکتا اور ان کے اعمال (معاذ اللہ) دیکھ نہیں سکتا۔ اگر اسی دلیل کا سہارا لیا جائے تو اور کئی پیچیدگیاں بھی پیدا ہوں گی مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث پاک کی رو سے قریب کے حاضرین کا صلوۃ و سلام بھی فرشتے ہی بارگاہ اقدس میں عرض کرتے ہیں۔ یعنی حضور پرنور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکًا یُّبَلِّغُنِیْ وَکَفٰی اَمْرَ دِیْنَاہُ وَاٰخِرَہٗ وَکُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شَہِیْدًا وَّشَفِیْعًا۔ (حیات النبی از حضرت علامہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ)

ترجمہ: "جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوتا ہے جو اس کا درود مجھے پہنچا دیتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کے لیے کافی ہوتا ہے نیز میں اس کے حق میں قیامت کے دن گواہ و نگہبان اور شفیع ہوں گا"۔

تو کیا اب یہ کہنا مناسب ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ روضہ پرنور پر حاضر ہو کر صلوۃ و

سلام عرض کرنے والوں کی آواز بھی نہیں سن پاتے بلکہ وہ بھی فرشتہ ہی سناتا ہے۔ معلوم ہوا کہ فرشتوں کا اللہ ذوالجلال کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال پیش کرنا اور یونہی حضور پرنور ﷺ کی خدمت بابرکت میں امت کے درود و سلام بلکہ دوسرے اعمال بھی پیش کرنا قطعاً ان کی بے علمی و بے خبری کی دلیل نہیں بلکہ محض ضابطے کی کارروائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور پرنور ﷺ کی سیرت طیبہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے جیسا کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ

ترجمہ: "حضور ﷺ کا خلق سراپا قرآن تھا" (یعنی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھا)"

اور قرآن پاک کا ایک اہم ارشاد ہے۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْرُدُّوْهَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ○ (النساء:۸۶) ☆

ترجمہ: "اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بیشک اللہ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے"۔

تو یقیناً حضور پرنور ﷺ اس پر سب سے زیادہ عمل فرمانے والے ہیں۔ لہٰذا جو بیکس بھی سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں سلام عرض کرتا ہے، سرکار دو عالم ﷺ اس کا ضرور جواب دیتے ہیں (قریب سے ہو، خواہ دور سے) آئیے حدیث پاک کا فیصلہ سنیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں، (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں)

مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ - (احمد - ابوداود - بیہقی فی شعب الایمان، بسند صحیح)

ترجمہ: "کوئی بھی مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ اللہ میری روح کو مجھ پر لوٹا

دیا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں"۔

نوٹ: روح سے یہاں مراد ہے توجہ-- چونکہ ہر وقت ہر طرف سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام کیا جاتا ہے لہٰذا حضور علیہ الصلوۃ والسلام دور و نزدیک سے ہر سلام پڑھنے والے پر اپنی توجہ مبذول فرماتے ہیں۔ اللہ کے لوٹانے سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سماعت ذاتی کمال نہیں بلکہ اللہ کا عطا فرمودہ ہے۔ نیز اس طرز بیان سے درود و سلام کی ترغیب دینا بھی مقصود ہے یعنی جو حضور اکرم ﷺ کی توجہ حاصل کرنا چاہتا ہے (زیادہ سے زیادہ) درود شریف پڑھے تو حضور پاک ﷺ اس کی طرف توجہ فرمائیں گے اور وہ بھی خدا کے حکم سے۔ یعنی اللہ کی اپنی مرضی یہ ہے کہ جو اس کے حبیب ﷺ پر درود و سلام پڑھے، حضور پرنور ﷺ اس کا جواب دیں۔ گویا درود و سلام پڑھنے والے سے حضور ﷺ ہی راضی نہیں، ان کا اللہ جل مجدہ بھی خوش ہوتا ہے۔

اب آخر میں حضرت شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی ضروری نصیحت سنئے۔

ذکر کن او را و درود بفرست بروے علیہ السلام وباش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب باجلال و تعظیم و ہیبت و حیا۔ و بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا۔ زیرا کہ وے علیہ السلام متصف ست بصفات الٰہیہ ویکے از صفات الٰہی آنست اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ۔ (مدارج النبوت)

ترجمہ: "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر اور ان پر درود پڑھ، ذکر کرتے ہوئے ایسے رہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیوی زندگی میں سامنے جلوہ افروز ہوں تو ان کی زیارت ادب و تعظیم اور ہیبت و حیا سے کر رہا ہے اور جان لے حضور ﷺ تجھے ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تیرا کلام سن رہے ہیں

کیونکہ حضور صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ کی ایک صفت ہے انا جلیس من ذکرنی یعنی میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں"۔

چند شبہات کا ازالہ:

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برزخی حیات (جو بالکل حقیقی دنیوی کی طرح ہے) پر جو شبہات وارد کیے جاتے ہیں، ان کا ازالہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلے قرآنی آیات پر گفتگو ہوگی، پھر احادیث مبارکہ پر۔

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ (آل عمران، آیت ۱۴۴ کا پہلا حصہ)

ترجمہ: "اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے"۔

۲۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران، آیت ۱۸۵ کے ابتدائی الفاظ)

ترجمہ: "ہر نفس کو موت چکھنی ہے"۔

۳۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر، ۳۰)

ترجمہ: "بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا"۔

ان آیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی لفظ "موت" کا اطلاق سامنے آتا ہے اور ان پر ہمارا اسی طرح ایمان ہے جیسے باقی قرآن پاک پر مگر یاد رکھئے حیات اور موت دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ حیات عادی اور حیات حقیقی۔ یونہی موت عادی اور موت حقیقی۔ اب ان کی مختصر تشریح سنئے۔ حیات ایسی صفت ہے جو علم و

ادراک، قوت و ارادہ، حرکت و احساس کا سبب ہے اور موت اس کے برعکس ان کے ختم ہونے کا سبب۔ یہ ہیں حیات حقیقی اور موت حقیقی۔ چونکہ عموماً اس حیات کا ذریعہ روح کا بدن میں موجود ہونا ہوتا ہے اس لیے روح کے بدن میں موجود ہونے کو حیات عادی کہا جاتا ہے اور اگر روح بدن سے نکل جائے تو یہی موت عادی ہے۔ خیال رہے روح حیات کا سبب ہے، خود حیات نہیں۔ قدرت خداوندی کے ساتھ اور معجزہ رسالت کے طور پر ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی روح بدن میں نہیں تھی پھر بھی علم و ادراک، سننا، دیکھنا، بولنا وغیرہ صفات موجود تھیں۔ یہی حیات حقیقی ہے۔ لکڑی کے ستون کا رونا، درختوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم پر چلنا اور شجر و حجر کا سلام عرض کرنا بغیر روح کے تھا۔ لہٰذا یہ سب حیات حقیقی کے مظاہر تھے۔ چنانچہ رب قدیر روح کے بغیر بھی جسے چاہے زندہ رکھ سکتا ہے اور روح کی موجودگی کے باوجود بھی موت طاری کر سکتا ہے۔ (اگرچہ وہ ایسا اپنی حکمتوں کے پیش نظر کرتا نہیں)

عام انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا خود امام الانبیاء حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہم التحیتہ والثناء، سب کی روح وصال کے وقت قبض کی جاتی ہے۔ یہ موت عادی ہے جو ان سے مشرف ہوتی ہے مگر روح کے بغیر بھی ان کی حیات حقیقی میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ان کے سمع و بصر، علم و آگہی، احساس و ادراک اور اختیار و تصرف برقرار رہتے ہیں۔ موت عادی کے تقاضوں کے مطابق ان کو غسل دیا جاتا ہے، جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ (اگرچہ دوسروں سے مختلف قسم کا) لحد مبارک میں اتارا جاتا ہے۔ پھر کسی کو ان کی خلافت کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔۔۔ حیات حقیقی کی بنا پر ان کا ترکہ تقسیم نہیں ہوگا۔ ان کی ازواج کسی اور جگہ نکاح نہیں کر سکتیں (کہ اللہ کے نبی سے ان کا عقد قائم رہتا ہے) اور جو لوگ زیادہ قرب و رابطہ کی صلاحیت رکھتے ہیں، انہیں اسی طرح نوازتے ہیں جس طرح وصال سے پہلے نوازتے تھے۔ اپنے اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ تصرفات سے مشکلات حل فرماتے ہیں اور غلاموں کی بگڑی بناتے ہیں۔ کسی کی فریاد پر خواب میں تشریف لا کر جواب دیتے ہیں اور کسی خوش نصیب کو بالکل بیداری میں اپنے

دیدار جمال سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اس تمہید کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جانی چاہیے کہ مندرجہ بالا آیات میں جس موت کا ذکر ہے وہ موت عادی ہے جس کے ہوتے ہوئے بھی حیات حقیقی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

غور فرمائیے شہدا بھی کل نفس ذائقہ الموت کے اطلاق سے باہر نہیں۔ انہیں بھی موت چکھنی ہے۔ اس کے باوجود قرآن حکیم انہیں مردہ کہنے' بلکہ انہیں مردہ خیال کرنے سے منع فرما رہا ہے۔ آخر کیوں؟ اسی لیے کہ وہ جس موت کو چکھتے ہیں' عادی ہے۔ اس سے ان کی حیات حقیقی میں فرق نہیں آیا۔ چونکہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں لہٰذا اس خداداد مخصوص شرف کی وجہ سے انہیں زندہ ہی کہو اور زندہ ہی مانو۔ اسی طرح بلکہ بدرجہا زیادہ قوی انبیاء کرام علیہم السلام کی زندگی ہے۔ ان کی حیات حقیقی ان کے مرتبہ بلند کے مطابق ہے اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم تو جان حیات اور اصل حیات (حقیقی) ہیں۔ موت عادی ان کی حیات میں کیا رخنہ اندازی کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبر مبارک میں حضور کے تشریف فرما ہونے کے بعد سب سے آخر میں جو بزرگ باہر آئے وہ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے لب مبارک ہلا رہے تھے۔ میں نے کان لگا کر سنا تو رب امتی امتی کہہ رہے تھے۔ (مدارج النبوۃ' ج ۲)

• اس کے علاوہ گزشتہ صفحات انبیاء کرام علیہ السلام اور خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے' اسے دوبارہ دیکھ لیں۔

تیسری آیت تو کھل کر ہمارے بیان کی تائید کر رہی ہے۔ الفاظ پر غور کیجئے۔

انک میت وانھم میتون

ترجمہ: "بے شک تو بھی میت ہے اور وہ بھی میت ہیں"۔

صاف ظاہر ہے کہ موت کا اطلاق تو درست ہے مگر موت موت میں فرق ہے۔ گر سب کی موت ایک جیسی ہوتی تو اتنی لمبی عبارت کی بجائے صرف اِنَّکُمْ مَیِّتُوْن

(تم سب مردہ ہو) کافی تھا۔

اب آیئے احادیث مبارکہ کی طرف۔ ان میں خصوصیت سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کے موقع پر دیا تھا اور جس کے الفاظ یوں ہیں:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ

ترجمہ: "جو (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا سو وہ تو وفات پا گئے۔

یہاں بھی قدمات میں موت حقیقی مراد نہیں بلکہ موت عادی ہے۔ اگر یہ مطلب نہ ہو تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا کیا معنی ہو گا جو آپ نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا:

لَنْ يَجْمَعَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ (حیات النبی از علامہ کاظمی، بحوالہ قسطلانی، ج ۶)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا"۔

ظاہر ہے ایک یہی موت (عادی) جو وارد ہو چکی (جس سے حیات حقیقی میں کوئی فرق نہ آیا اس کے بعد روح مبارک کا پھر تعلق جسم انور سے ہو گیا اور اب جو حیات نئی قوتوں کے ساتھ شروع ہوئی ہے، اس پر موت عادی بھی نہیں آ سکتی۔

(یہ جواب خلاصہ ہے اس تحقیق کا جو غزالی الزماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی قدس سرہ نے اس موقع پر حیات النبیؐ میں فرمائی ہے)

یہاں ایک اور طریقے سے اس کا جواب دیا جاتا ہے جو نسبتاً سادہ اور عام فہم ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں عموماً لفظ حیات "وجود" یعنی "ہونے" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس کا میدان اس دنیا کو سمجھا جاتا ہے۔ گویا جب تک دنیا میں ہے زندہ ہے۔ اس کے برعکس موت، عدم یعنی نہ ہونے کے معنی میں آتا ہے اور جب کوئی مر گیا تو گویا حیات سے اس کا تعلق ختم ہو گیا۔ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ اسلامی تصور کے

مطابق دنیا میں رہا ہی حیات ہے تو دنیا سے جانے کے بعد بھی حیات ہے۔ پہلی زندگی دنیوی زندگی اور دوسری برزخی (کیونکہ پہلی کا تعلق عالم دنیا سے ہے تو دوسری کا عالم برزخ کے ساتھ) موت گویا پہلی زندگی کے اختتام کا وقت ہے اور دوسری کے آغاز کا۔ دوسرے لفظوں میں جسے ہم موت کہتے ہیں یہ دراصل تبادلہ ہے دنیوی زندگی سے برزخی زندگی کی طرف۔ قبر میں جنہیں عذاب ہو رہا ہے' وہ بیچارے تو اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ دیکھنے' سننے اور پہچاننے کے باوجود وہ "فنا" سے بھی بدتر حالت میں ہیں۔ ان کی تو چھوڑیے کہ ان کا تبادلہ ہوا آزادی سے شدید ترین قید کی طرف' البتہ جنہیں قبر میں راحت و آرام میسر ہے' وہ تو بہرحال "زندگی" سے بہتر زندگی کی طرف گئے ہیں یا یوں کہئے وہ قید سے آزادی کی طرف گئے ہیں۔ یہی ہیں وہ جن کے دنیا سے کوچ کرنے کو انتقال کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ

(تفسیر کبیر)

ترجمہ: "اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف ان کا انتقال یعنی تبادلہ ہوتا ہے۔

گویا ان کی موت سے زندگی میں فرق نہیں پڑا۔ بلکہ یہ موت محض تبادلہ ہے۔ موت سے پہلے بھی زندہ تھے' بعد میں بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر زندگی کے اپنے تقاضے ہیں۔

یونہی اولیاء اللہ کی اس "موت" کو "وصال" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں سو طرح رنج و غم' الجھنیں اور پریشانیاں تھیں وہ اب اس سے الگ تھلک ہو کر قبر میں آرام فرما ہیں اور محبوب حقیقی کی خصوصی نوازشات ان پر سایہ کناں ہیں۔ یہ تصور اس جملے سے لیا گیا ہے جو حضرت حبان بن اسود رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا تھا:

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ (شرح الصدور)

ترجمہ: "موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملا دیتا ہے"۔

دیکھئے "موت" کا لفظ بار بار استعمال ہو رہا ہے مگر اس استعمال کے باوجود اس کا وہ مفہوم نہیں جو عموماً ہمارے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ غور کیجئے جس زندگی کو "وصال جاناں" کہا جائے اور وہ دنیوی زندگی سے اعلیٰ ہونی چاہیے یا ادنیٰ۔ یقیناً اعلیٰ۔ کیونکہ "وصال" کی اپنی قوت و برکت بھی ساتھ شامل ہو گئی ہے۔ کون سا عاشق ہے جو "وصل جاناں" کا طالب نہیں۔ پھر جاناں بھی وہ جسم و جاں کا خالق ہے۔ اسی لیے اولیاء اللہ تو اس "موت" کا استقبال کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متعلق ہے کہ جس روز ان کا وصال ہونے والا تھا، بہت سرور کے عالم میں بار بار یہ ہندی مصرع پڑھتے تھے:

"اج بلاوا کنتھ سوں سب جگ دیواں وار"

قبر میں اس کی طاقت کا حال یہ ہوتا ہے کہ قیوم زمانی حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے اللہ کا بندہ دنیا میں ہو تو یوں جیسے تلوار نیام میں اور دنیا سے نکل جائے تو یوں جیسے تلوار نیام سے باہر ہو۔ اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا تُحۡفَۃُ الۡمُؤۡمِنِ الۡمَوۡتُ سوچئے اگر موت فنائے محض ہو تو یہ تحفہ کیونکر ہوئی۔ تحفہ اسی لیے ناکہ بندہ کامل کی دنیوی زندگی کو برزخی زندگی سے کوئی نسبت ہی نہیں ہوتی۔ موت و حیات کا یہی وہ اسلامی فلسفہ ہے جسے فلیسوف عصر، شاعر اسلام، مفکر پاکستان، حکیم الامت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بار بار پیش کیا ہے۔ مثلاً:

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں
موت اس گلشن میں جز سنجیدن پر کچھ نہیں

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں

مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولانگاہ ہے

"موت کے اس تصور کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو کتاب و سنت میں جہاں
لفظ آتا ہے، ہمیں اس کا ترجمہ "عدم محض" (یا مکمل فنا) کرنے سے باز رہنا چا
اب جہاں خصوصاً اہل ایمان کے لیے "موت" کا لفظ وارد ہوا "ایک نئی زندگی
آغاز" انتقال اور "وصال" کا مفہوم لیے ہوئے ہے۔ "موت و حیات" کا یہ
تصور بھی گویا انقلابی تصور ہے جسے زمانہ جاہلیت کے لوگ سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس
جہاں کتاب و سنت میں "موت" کا اثبات کیا گیا، وہاں یہی تصور مراد ہے اور
"مردہ" کہنے سے منع کیا، وہاں جاہلیت کے تصور کے مطابق "مردہ" مراد ہے جو

نہیں، دیکھتا نہیں، جانتا نہیں۔ احساس وادراک سے خالی ہے۔

خصوصاً شہدا، صلحا اور پھر سب سے بڑھ کر انبیا علیہم السلام کی حیات تو ایسی ہے کہ ان کے اجسام تک زندہ اور اپنی اپنی شان کے لائق متصرف۔ ان سب میں نمایاں زین اور قوی ترین حیات حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعلمین ہونے کے تقاضے سے وجہ حیات اور اصل حیات ہیں (جیسا کہ تفصیل سے اوپر گزر چکا)

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں "موت" کا یہ اسلامی تصور نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال شریف کی خبر سن کر جب افراتفری کے عالم میں حاضر خدمت ہوئے تو یوں کیوں عرض کرتے:

اُذْکُرْنَا یَا مُحَمَّدُ عِنْدَ

رَبِّكَ وَلْنَكُنْ مِنْ بَالِكَ

ترجمہ: "اے ذات ستودہ صفات! اپنے رب کے پاس ہمیں یاد کرنا اور ضرور ہمارا خیال رکھنا"

اور پھر آپ کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے لشکر کے مقابلے میں اہل اسلام مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل دور نعرہ رسالت کیوں لگاتے۔ شک ہو تو دیکھیے جنگ کے ایک موقع پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا:

ثُمَّ نَادٰى بِشِعَارِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ شِعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ يَامُحَمَّدَاه

ترجمہ: "پھر آپ نے مسلمانوں کے نعرے کے ذریعے پکارا اور اس جنگ میں مسلمانوں کا نعرہ تھا "یا محمداہ" (البدایہ والنہایہ، از حافظ ابن کثیر)

پھر اپنے وصال شریف سے پہلے یہ وصیت کیوں کی تھی:

"حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے سامنے رکھ دینا۔ اگر دروازہ

کھل جائے اور قبرانور سے آواز آئے کہ ابوبکر کو اندر لے آو' تب تو مجھے حجرۂ مبارکہ میں دفن کرنا ورنہ عام مومنین کے قبرستان میں دفن کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب حجرۂ مقدسہ کے سامنے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ رکھا گیا تو دروازہ کھل گیا اور قبرانور سے آواز آئی:

"اُدۡخِلُوا الۡحَبِیۡبَ اِلَی الۡحَبِیۡبِ (تفسیر کبیر' ج ۵)

ترجمہ: "حبیب کو حبیب کے پاس لے آو"۔

سوچئے اگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حیات النبی پہ ایمان نہ رکھتے' وصیت کیوں فرماتے۔

چند مزید شبہات:

گزشتہ دنوں ہمارے برادر طریقت حضرت مولانا فقیر محمد ساقی مدظلہ' صدر بز لاثانی ضلع جھنگ نے کراچی کے ایک ملحد کا لکھا ہوا چار ورقی رسالہ بھیجا اور اس عاجز حکم دیا کہ اس کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ شہر جھنگ اور مضافات میں اسے بڑی تعداد میں پھیلایا جارہا ہے اور کچھ لوگ متاثر بھی ہو رہے ہیں۔ میں نے اس کا حرف حرف پڑھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ بدنصیب بغض رسول میں "فنا" ہو چ ہے اور اس حد تک فنا ہے کہ "حیات" کے تقاضوں سے ہی بے خبر ہے۔ اس کے افکا میں ژولیدگی اور تضاد ہے۔ تضاد کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ صفحہ ۸ پر لکھتا ہے:

"لوگو! اللہ تعالیٰ کا فرمان' نبی کا ارشاد اور صحابہ کرامؓ کا اجماع تمہارے سامنے ہے مگر تم کہتے ہو کہ نبی اپنی قبر میں زندہ ہی نہیں بلکہ دنیا میں آتے جاتے بھی رہتے ہیں۔ افسوس کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے "الحی" تراش لیے اور ان کی بات نہ مانی"۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان کا تعلق ہے' اس نے صاف طور پر شہدا کو مر کہنے بلکہ مردہ خیال کرنے کو بھی ممنوع کر دیا ہے۔ جہاں تک حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشاد کا تعلق ہے، آپ نے شہداء احد کے مزارات پر اللہ کا نام لے کر (گویا قسم کھا کر) شہداء کی زندگی کی گواہی دی اور انبیاء علیہم السلام کے قبروں میں نماز پڑھنے کو چشم دید گواہی سے ثابت کیا جیسا کہ گزرا۔ جہاں تک انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں تشریف لانے کا ذکر ہے، واقعہ معراج کا ذکر جو مسلم شریف کی حدیثوں میں آیا ہے، اس پر شاہد ہے۔ شہداء کا آنا جانا احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیچھے آچکا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنازہ مبارک پڑھایا گیا اور قبر مقدس سرکار سے مشرف ہوئی۔ اس کا تفصیلی جواب گزر چکا ہے کہ موت کی دو قسمیں ہیں اور ہر ایک کے الگ تقاضے ہیں۔ موت عادی سے حیات حقیقی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور خصوصاً حضور جان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو زندہ رہنے کے لیے روح کے بھی ہرگز ہرگز محتاج نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت عادی پر بھی اجماع ہے اور حیات حقیقی پر بھی۔ اسی لیے دور دراز سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پرنور پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کرتے رہے اور فیض یاب ہوتے رہے۔ بلکہ وہ اسے زیارت قبر نہیں بلکہ زیارت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعبیر کرتے تھے۔ اب اس کے اس جملے پر غور کیجیے:

"افسوس کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے "الحی" تراش لیے"

گویا اللہ کے سوا کوئی "الحی" یعنی زندہ نہیں (اور کسی کو اللہ کے سوا زندہ سمجھنا گویا شرک ہے۔ اور اس رسالے کا نام ہے:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شہداء اللہ کے پاس جنت میں زندہ ہیں، قبروں میں نہیں"۔

غور فرمائیے اگر اللہ کے سوا کسی کو "زندہ" کہنا شرک ہے اور افسوسناک تو بتائیے اللہ کے پاس جنت میں ان کو زندہ کہنا کیوں شرک نہیں اور پھر اگر معاذ اللہ اللہ کے سوا کسی کو زندہ کہنا شرک ہے تو جنت میں سب انبیاء علیہم السلام اور شہداء عظام

علیہم الرضوان کو زندہ کہنے والا خود کتنے خدا تراش رہا ہے اور ہندوؤں کے دیومالائی نظام کا اہل ایمان کو طعنہ دینے والا خود لاکھوں کروڑوں کو جنت میں زندہ مان کر اپنے فتوے کے مطابق ان گنت شریک ٹھہرا رہا ہے۔ نہیں' بلکہ جب خدا کے سوا کسی کو زندہ کہنا ہی شرک ٹھہرا تو دنیا میں چلتے پھرتے اور زندہ کہلانے والے انسان' جن' فرشتے اور ہر قسم کے جانور بھی اس فکر کے مطابق معاذ اللہ خدا ٹھہرے۔ دیکھا بغض رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اسے جہنم کے کس اندھے کنوئیں میں پھینک دیا ہے۔ اتنا نہ سوچا کہ جب قبروں میں زندہ ہونا گویا شرک ہے تو جنت میں زندہ ہونا' آسمانوں پر زندہ ہونا اور زمین پر زندہ ہونا کیوں شرک نہیں۔

پھر اس بدنصیب سے کوئی یہ پوچھے کہ کیا اللہ "جنت" میں ہے اور اللہ کو جنت میں ماننا شرک ہے یا توحید۔ ہر ایک ان پڑھ مسلمان بھی کم از کم اس عقیدے سے واقف ہے کہ اللہ زمان و مکان سے پاک ہے۔ ابن تیمیہ جس نے اپنے عزم فاسد سے کئی مسائل میں جمہور امت اور خود حنبلی کہلوا کر کئی دوسرے مسائل میں اپنے امام حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بھی اختلاف کیا' وہ اس قسم کی ملحدانہ تحقیق کا موجد تھا (کہ خدا مجسم ہے اور عرش پر ہے) ورنہ اس کے چھوٹے سے گروہ کے علاوہ کسی نے یہ جاہلانہ و فاسقانہ بات نہیں کہی۔ زیر بحث تحریر سے بار بار یہی تاثر ملتا ہے کہ کراچی کا یہ باغی و طاغی جو اب اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے' اسی کے پس خوردہ پر گزارا کرتا ہے۔ اسی لیے خدا کو بھی جنت میں ہی معاذ اللہ مقید سمجھتا ہے باہر نہیں اور جو جنت میں ہو' اس کے نزدیک وہ اللہ کے پاس ہوتا ہے اور معاذ اللہ جو جنت کی بجائے قبر میں ہو یا دنیا میں' وہ گویا اللہ سے دور ہوتا ہے۔ یہ ہے وہ "مشرکانہ توحید" جس کی بنا پر سب اہل توحید اس کو مشرک نظر آتے ہیں۔ اب آئیے ان احادیث کی طرف جن کا فوٹو لینے کا اس نے تکلف کیا ہے۔ خدا کے فضل سے حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے اور اپنے مرشد حقانی حضور نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کی برکت سے ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس سے ہمارے اسلامی

قرآنی معتقدات کے خلاف کوئی پہلو نکلتا ہو۔ ہاں اتنی گزارش ضرور ہے کہ اب تک کی ہماری تحریر کو ایک نظر پھر دیکھ لیجئے۔ مگر ان سے بھی وہ دو آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔ جنہیں اس نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا ہے۔ ان آیتوں کے درج کرنے سے پہلے "ملحد" صاحب فرماتے ہیں:

"سچی بات یہ ہے کہ قرآن میں جو حیات شہداء کی آیتیں آئی ہیں، وہ اس لیے نہیں آئی ہیں کہ شہداء کو وسیلہ بنایا جائے یا ان کو پکارا جائے بلکہ وہ یہ بتانے آئے ہیں کہ مومن کا یہ فرض ہے کہ ایمان کا بول بالا کرنے کے لیے اپنا آخری قطرۂ خون تک نچھاور کردے۔۔۔"

گویا یہ تسلیم ہے کہ آیتیں حیات شہداء کی ہیں اور اس کے باوجود بھی انہی سے حیات شہداء کا انکار کرتا ہے گویا

ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور اس سے زیادہ بدنصیب، ضدی اور منہ پھٹ کون ہو سکتا ہے۔ پھر اگر ان سے ایمان کا بول بالا کرانے کے لیے زندگی قربان کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے تو اس سے بہتر انداز کیا ہو سکتا تھا کہ تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ۔ اس کے باوجود زندہ رہو گے۔ بقول مولائے روم علیہ الرحمۃ

جاں دہی در راہ حق جانہا دہند
ناں دہی در راہ حق نانہا دہند

ثواب کا یہ قاعدہ قرآن پاک میں مذکور ہے یعنی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیکی لایا اسے دس نیکیوں کا ثواب تو جس نے ایک جان دی اسے کم از کم دس جانیں ملنی چاہئیں۔ ایک جان کے ساتھ جسم زندہ تو دس جانوں کے ساتھ اس کی زندگی کیسی ہوگی۔ نیز وہ زندہ ہیں تو پھر ان کو پکارنے اور وسیلہ بنانے سے کہاں روکا گیا ہے (یہ بات ظالم نے کہاں سے نکالی ہے کہ آیتیں اس لیے آئیں اور اس لیے نہیں آئیں) اگر زندہ ماں، زندہ باپ، زندہ بھائی اور زندہ دوست کو

پکارنے سے شرک نہیں ہوتا تو زندہ شہید کو اس کی قبر پر پکارنے سے شرک کا کیا خطرہ؟

رہ گیا وسیلہ تو قرآن پاک نے خود حکم دیا:

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (سورۂ مائدہ)

ترجمہ: "اس (خدا) کی طرف وسیلہ تلاش کرو"۔

ظاہر ہے وسیلہ بننا مخلوق کی صفت ہے، خالق کی نہیں۔ لہٰذا جنہیں اللہ کا قرب حاصل ہے، یقیناً دوسروں کے لیے وسیلہ بننے کے اہل ہیں اور شہداء مقرب بارگاہ خداوندی ہیں۔ ابھی چند سطریں بعد دیکھ لیجئے گا۔ اب آیئے اس کی پیش کردہ پہلی آیت کی طرف:

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون ○

ترجمہ: "اور جو خدا کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں شعور نہیں"۔

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے "جسم" ہیں، روحیں نہیں۔ لہٰذا یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ ان کے جسم بھی زندہ ہیں (جب کہ روحیں سب کی زندہ ہوتی ہیں) کتنا واضح حکم ہے کہ ان کو مردہ نہیں کہنا۔ اس لیے وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہاری آنکھیں انہیں خاک و خون میں لوٹتا ہوا دیکھیں، ان کے سر تن سے جدا دیکھیں یا ہر عضو کو پارہ پارہ دیکھیں، پھر دفن ہوتا بھی دیکھیں تو بھی انہیں مردہ ہرگز نہ کہیں۔ کیونکہ انہیں مردہ دیکھنا تمہارے شعور و احساس کی خامی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے شعور و احساس کو بے عیب سمجھتے ہوئے ان کی جسمانی زندگی کا انکار کرتا ہے تو اس کی مرضی۔ قرآنی عقیدہ بہرحال انہیں جسماً زندہ ماننا ہے۔ اپنے عقلی ڈھکوسلوں پر یقین رکھنے والے اور قرآن کے اس صریح حکم سے بغاوت کرنے والوں نے ایک نیا بہانہ تلاش کر لیا۔ واقعی ؎

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

وہ بہانہ اگلی آیت کے ایک لفظ سے گھڑا ہے۔ پہلے اس کے تحریر کردہ الفاظ

آیت درج کیے جاتے ہیں:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

ترجمہ: "اور اللہ کی راہ میں قتل ہونے والوں کو مردہ مت خیال کرو۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے مقرب ہیں، رزق دیے جاتے ہیں"

اس عند ربھم سے اس نے دھوکا دینا چاہا ہے۔ عند صرف نزدیک کے معنی میں نہیں آتا بلکہ "مقرب" کا مفہوم لیے ہوئے ہے جیسے خود قرآن پاک میں رب فرماتا ہے:

وَ مَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ (الانبیا)

ترجمہ: "اور جو اس کے مقرب ہیں تکبر نہیں کرتے۔ اس کی عبادت سے اور نہ تھکتے ہیں"۔

"خدا کے نزدیک" سے یہ مفہوم لینا کہ بعض چیزیں خدا کے نزدیک نہیں یعنی دور ہیں، سخت گمراہی بلکہ کفر ہے۔ اسلامی عقیدۂ توحید میں یہ بات بھی شامل ہے کہ خدا زمان و مکان اور جسم و شکل سے پاک ہے۔ جہاں تک اس کے علم و قدرت کا تعلق ہے، وہ ہر نزدیک سے نزدیک ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد

ترجمہ: "ہم اس کی (یعنی انسان کی) شہ رگ سے بھی اس سے قریب تر ہیں"۔

تو آیت کے الفاظ کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ شہداء اللہ کے ہاں مقرب و مکرم ہیں۔ (اور جو مقرب ہو وہ وسیلہ بن سکتا ہے)[۱۳]

اس کی پیش کردہ پہلی حدیث میں بھی اس کے دھوکے کا سارا دارومدار اسی "عِنْدَ رَبِّھِمْ" پر ہے لہٰذا تفصیلی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ جسم

والی چیز کے نزدیک ہونا فاصلے کی کمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور جو جسم سے ہی پاک ہے اس کے نزدیک ہونا گویا روحانیت میں مقرب ہونا ہے' فاصلے کی کوئی بات نہیں۔ تاہم اس کا ترجمہ جو اس نے کیا ہے' درج کیا جاتا ہے۔

"عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے کہا' جب تمہارے بھائی احد کے دن شہادت سے ہمکنار ہوئے تو اللہ تعالٰی نے ان کی روحوں کو اڑنے والے سبز قالبوں میں ڈال دیا اور انہوں نے جنت کی نہروں پر آنا جانا شروع کر دیا۔ جب اس طرح انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی آسائشیں مہیا پائیں تو آپس میں کہا کہ کون دنیا میں ہمارے بھائیوں تک ہمارے بارے میں یہ بات پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی نہ برتیں اور جہاد کے وقت کم ہمتی نہ دکھائیں۔ پس اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں یہ بات پہنچا دوں گا پھر مالک نے (سورۂ آل عمران کی) یہ آیتیں نازل کیں "جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں' ان کو مردہ نہ سمجھو' وہ حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"۔

حدیث پاک کے مضمون پر غور کریں تو الجھن نہیں رہتی پھر دیکھئے اس ترجمے کا یہ جملہ "اللہ تعالٰی نے ان کی روحوں کو اڑنے والے سبز قالبوں میں ڈال دیا"۔ کتنا واضح ہے کہ یہ جسم وہ نہیں جو قتل ہوئے بلکہ روحوں کے لیے اڑنے والے قالب تیار کیے گئے۔ انسانی جسم قبر ہی میں ہیں اور کسی ایک لفظ سے بھی اس کی تردید نہیں ہوتی۔ مشکوۃ شریف اور شرح الصدور' از علامہ سیوطی قدس سرہ جس کے بہت سے حوالے ہماری اس تحریر میں آ گئے ہیں' متعدد روایات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ شہدا کی ارواح تو نئے قالبوں میں جنت کی سیر کرتی ہیں مگر جسم قبر میں رہتا ہے۔ یہ الگ بات ہے خود "قبر" بھی جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دی جاتی ہے۔ لہٰذا شہید اور یونہی صالح بندے جنت میں بھی ہوتے ہیں اور قبر میں بھی (کیونکہ یہ قبر بھی تو جنت بن گئی

ہے) رہ گیا جزا کے طور پر جنت میں باقاعدہ داخلہ تو یہ حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد ہی ہوگا۔ اسی لیے حضور پاک ﷺ نے فرمایا:

اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ (مسلم شریف)

ترجمہ: "میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا"۔ (۱۴)

ظاہر ہے حضور اکرم ﷺ کے وصال شریف سے پہلے انبیاء علیہم السلام (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور پہلے دن سے لے کر لاکھوں شہدا دنیا سے رخصت ہو گئے، اگر یہ سب معروف معنی میں جنت میں ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ سب سے پہلے جنت میں، میں داخل ہوں گا۔

پھر حضور اکرم ﷺ کا شہداء احد کے مزارات پر ہر سال تشریف لے جانا آخر کس لیے تھا اور وہاں جا کر اس پر زور انداز میں ان کی زندگی کی گواہی دینا کس لیے۔

یہاں ایک اور سوال بھی ان محققین سے پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ حدیث بالا میں شہیدوں نے جو کچھ کہا اور اللہ تعالیٰ نے جو جواب دیا، حضور اکرم ﷺ نے اسے جبریل امین علیہ السلام کے حوالے سے بیان نہیں فرمایا بلکہ انداز بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زمین پر رہتے ہوئے یہ مکالمہ سنا، اسی لیے کسی واسطے کا ذکر نہیں فرمایا۔ اب سوچئے اگر زمین سے جنت کی آواز سن سکتے ہیں تو بالفرض جنت میں بھی ہوں تو کیا ہم سیاہ کاران امت کی فریاد نہیں سن سکتے اور اگر سن سکتے ہیں تو "یارسول اللہ" کی پکار میں کیا حرج ہے۔

__دوسری حدیث پاک:__ دوسری حدیث پاک جو اس نے پیش کی ہے، اس کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو پہلی حدیث پاک میں آپ دیکھ چکے۔ باقی حصے کا ترجمہ جو خود اس نے دیا، حسب ذیل کیا:

"...... (جنت میں ان گھومنے والی روحوں) کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کسی اور چیز کی تمہیں خواہش ہے۔ شہدا نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جنت

میں جہاں چاہیں مزے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح تین بار ان سے یہی دریافت کیا اور شہدا نے دیکھا کہ جب تک کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے، ان کا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا مالک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لوٹایا جائے اور ہم دوسری بار تیری راہ میں شہید کیے جائیں۔ اب کہ مالک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔ (ترجمہ عبارت ص ۱۳۵-۱۳۶، مسلم جلد ۲، مطبوعہ دہلی)

اس کے بعد متصل ملحد صاحب کے یہ دو جملے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

امام مسلم نے یہ حدیث لاکر بہت سی باتیں بیان کر دیں۔

"شہید کو نیا اڑنے والا جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس جسم کے ساتھ جنت کے مزوں میں خوش و خرم رہتا ہے"۔

اس حدیث پاک سے جو خود اس نے نتیجہ نکالا ہے، وہ ہمارے موقف کے عین مطابق ہے یعنی جنت میں جس قالب میں روحیں اڑتی ہیں، وہ نہیں جو قتل ہوا تھا اور جس کو مردہ کہنے اور سمجھنے سے قرآن پاک نے منع فرمادیا ہے اور وہ جسم ان کی قبر میں زندہ ہے اور حساب و کتاب کے بعد جنت میں جائے گا۔ یہی ہم بار بار کہہ رہے ہیں۔ نیز کیا پوچھنا چھوڑ دیا اور انکار کر دیا، دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اور اگر ایک نہیں تو استدلال کیسا۔

رہ گئی ان کی خواہش کہ روح کو جسم میں لوٹا کر انہیں پھر شہید ہونے کا موقع دیا جائے، یقیناً یہ اللہ کے قانون کے خلاف ہے۔ دنیا میں ٹھہرنے کی مدت جسے عمر کہتے ہیں، متعین ہے اور یہ عمر گزار کر جانے والا ایک بار جاتا ہے، دوبارہ اسے یہاں بھیج کر اسے مکلف نہیں کیا جاتا۔ شہیدوں کو شہید ہوتے وقت جو لطف آتا ہے، یقیناً وہ جنت میں بھی نہیں۔ حدیث کا اتنا ہی مفہوم ہے کہ ایک بار دنیا میں جا کر کافروں سے لڑیں اور شہید ہو جائیں کیونکہ شہادت کا لطف جنت میں بھی نہیں۔ مگر عقل عیار اسے شہیدوں کے

جسموں کے مردہ ہونے اور جنت میں مقید ہونے پر محمول کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی روحوں کو دنیا میں آنے پر بھی پابندی نہیں اور جس طرح فرشتے میدان بدر میں آئے اور آسکتے ہیں' وہ بھی اس حد تک اپنی کارروائی کر لیتے ہیں نیز جس طرح فرشتے قتل نہیں ہوتے' ان کی روحیں بھی قتل نہیں ہوتیں۔

اس سلسلے میں حضرت جعفر طیار کا شہید ہونے کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنی شہادت کی سرگزشت سنانا' پیچھے مذکور ہو چکا ہے۔ (اسی طرح کئی دوسرے واقعات شرح الصدور از علامہ سیوطی میں دیکھے جا سکتے ہیں مثلاً تابعین میں سے تین مجاہد بھائیوں کا مشہور واقعہ جس میں سے دو کو عیسائی بادشاہ نے کھولتے تیل میں ڈال کر شہید کر دیا۔ تیسرا بچ گیا تو یہ دونوں اس کی رسم نکاح میں شامل ہوئے۔ اس واقعے کی صحت سے انکار کی گنجائش نہیں۔

تیسری حدیث: جو اس نے پیش کی ہے' اس میں ایک خواب کا تذکرہ ہے جس کا آخری حصہ اس ملحد کا مدار دلیل ہے۔ اس نے جو ترجمہ کیا ہے' حسب ذیل ہے:

(فرشتوں نے کہا) یہ شہدا کے گھر ہیں اور میں جبرئیل ہوں اور یہ میرے ساتھی میکائیل ہیں۔ ذرا اپنا سر اوپر تو اٹھایئے۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے اپنے سر کے اوپر ایک بادل سا دیکھا۔ ان دونوں نے کہا کہ یہ آپ کا مقام ہے۔ میں نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ اپنے گھر میں داخل ہو جاؤں۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کی عمر کا کچھ حصہ باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا ہے' اگر آپ اس کو پورا کر لیں تو اپنے گھر میں آ جائیں گے۔

ذرا خیال فرمایئے یہ ملحد کتنی دور کی کوڑی لایا ہے۔ خیر یہاں سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ اس قسم کے ملحدوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے انجام کا بھی معاذ اللہ علم نہیں۔ رہ گئی اس میں داخلے کی بات تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات آپ سن چکے ہیں کہ نبی تو نبی ہیں (علیہ السلام) عام صالح کی قبر

بھی جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے اور یوں وہ قبر میں بھی ہوتا ہے اور جنت میں بھی۔ جہاں تک جنت کے قاسم حضور ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر منور کا تعلق ہے، قبر ہی نہیں، قبر و منبر کا درمیانی حصہ بھی روضہ جنت ہے بلکہ اپنے منبر کے بارے میں بھی فرمایا کہ مرے حوض پر ہے --- دیکھئے حدیث پاک:

۱۔ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي (البخاری: کتاب فضل الصلوۃ فی مسجد مکہ) (المسلم: کتاب الحج)

ترجمہ: "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان (کی زمین) جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر (قیامت کے دن) میرے حوض پر ہوگا"۔

نجانے اس نے کہاں سے نتیجہ نکالا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر پاک میں نہیں بلکہ اس میں داخل ہوتے ہی اس بادل میں چلے جائیں گے۔ کاش احادیث کا حوالہ دینے والا اس قسم کی صحیح احادیث بھی سامنے رکھتا:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مسند ابو یعلیٰ، شفاء السقام)

ترجمہ: "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ نماز پڑھتے ہیں"۔

یہی نہیں گزشتہ صفحات میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کا معراج شریف کی رات اپنی قبروں میں نماز پڑھنا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشاہدہ فرمایا اور اپنے پیچھے بھی اور امام شعرانی قدس سرہ کی یہ تحقیق آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ایک جسم ایک وقت میں کئی جگہ ہو سکتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام قبروں میں تھے۔ بیت المقدس میں بھی اور آسمانوں پر بھی۔

کون نہیں جانتا کہ سونے والی روح جسے منامی کہا جاتا ہے، کہاں کہاں سیر نہیں کرتی اور اس کے باوجود اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ یونہی ارواح ہیں کہ جہاں چاہیں جائیں مگر جسموں سے ان کا تعلق ختم نہیں ہوتا اور انبیاء کرام علیہم السلام

کی ارواح تو دوسروں کے جسموں سے بھی لطیف ہوتی ہیں۔ لہٰذا جہاں چاہیں سیر فرمائیں مگر قبور سے ان کا رابطہ منقطع نہیں ہوتا۔ (دیکھئے شرح الصدور (علامہ سیوطی) اور حیات النبی (علامہ کاظمی)

چوتھی حدیث:

اس کا ترجمہ جو ملحد صاحب نے کیا ہے یوں ہے:

"سعید بن مسیب اور عروہ بن الزبیر اور بہت سے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تندرستی کے زمانے میں فرمایا کرتے تھے کہ کسی نبی کو کبھی بھی وفات نہیں دی جاتی۔ جب تک جنت میں اس کا مقام دکھا نہیں دیا جاتا"۔

مقام دکھا دیے جانے کے بعد اس کو انتخاب کا موقع دیا جاتا ہے (کہ چاہے دنیا میں رہے اور چاہے تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ترجیح دے) پس جب آپ کا آخری وقت آیا اور اس حال میں کہ آپ کا سر میرے زانو پر تھا' آپ کو تھوڑی دیر کے لیے غش آگیا۔ پھر آپ ہوش میں آئے اور نگاہیں اوپر چھت کی طرف گاڑ دیں اور کہا اللھم الرفیق الاعلی (اے مالک الرفیق الاعلیٰ) پس میں نے کہا یہ کہنے کے بعد اب آپ ہم دنیا والوں کی رفاقت اختیار نہ کریں گے۔ میں نے جان لیا کہ جو بات آپ فرمایا کرتے تھے' اس کے صحیح ثابت ہونے کا وقت آگیا۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلمہ جس کے بعد آپ نے کوئی بات نہ کی یہی کلمہ اللھم الرفیق الاعلی تھا۔ (ترجمہ عبارت بخاری' ص ۹۳۹' جلد ۲' مطبوعہ دہلی)

اب اس سے جو نتیجہ ملحد صاحب نے نکالا ہے' وہ بھی پڑھ لیجیے:

"بخاری نے اس طرح واضح کر دیا کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مدینہ والی قبر میں زندہ مانتے ہیں وہ گویا یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رفاقت کے بجائے دنیا والوں کی رفاقت کو ترجیح

دی"۔ (رسالہ، ص ۶)

اس بد بخت سے کوئی پوچھے کہ کیا جب تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں تشریف فرما رہے، اللہ کو رفیق نہیں سمجھتے تھے اور یہ جو فرمایا تھا کہ:

ترجمہ: "(دنیا والوں میں سے) اگر کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، مگر تمہارا صاحب (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کا خلیل ہے) (ترمذی شریف)

تیرے نزدیک اس کا کیا مطلب ہے اور غار ثور میں جب آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے قرآنی الفاظ میں فرمایا تھا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ)

ترجمہ: "نہ گھبرا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

اس کا تیرے خیال میں کیا ترجمہ ہے۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو عصا پھینکنے کا حکم دیا اور وہ سانپ بن گیا تو فرمایا:

لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ○

ترجمہ: "ڈر نہیں بے شک میرے پاس (یا حضور) رسولوں کو خوف نہیں ہوتا"۔

کیا صاف واضح نہیں ہوا کہ رسول اپنے منصب کے لحاظ سے ہمیشہ اللہ کی حضوری میں ہی رہتے ہیں۔ البتہ اس حضوری کی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں۔

اور اگر دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کی خلت و رفاقت و معیت سے محروم نہیں تو بتائیے قبر پاک میں جا کر اگر امت پر نظم کرم فرماتے رہیں تو کیا یہ خلت و معیت ختم ہو جائے گی۔

رہ گیا اللھم الرفیق الاعلی فرمانا تو یہ گویا انہی تعلقات میں مزید و مخصوص اضافہ ہے جسے شہیدوں کی زندگی کا انکار کر کے لاتشعرون کی زد میں آنے والا نہیں سمجھ سکتا۔ ورنہ مقام نبوت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ خدا سے لے اور امت کو

دے۔ نبی زمین پر ہو تو بھی خالق و مخلوق کے درمیان وجہ رابطہ ہے اور قبر میں ہو تو بھی (بلکہ عالم برزخ میں یہ برزخیت بڑھ جانی چاہیے)

اس قسم کی روایت پیش کرنے والوں سے پوچھئے کہ کیا آپ کو نبی کے اختیار کی بھی کوئی سمجھ آئی کہ نہیں۔ کیا موت و حیات کے بارے مین اس سے بڑا اعزاز بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ نبی چاہے تو اس دنیا میں رہے اور چاہے تو اگلے جہاں میں جائے۔ خدارا سوچئے کہیں یہ شرک تو نہیں ہو گیا کہ اللہ جو خالق و مالک اور بندوں کی حیات و موت کے سارے اختیارات کا مالک ہے' اپنے نبیوں کو بھی اس سلسلے میں کم از کم اپنے بارے میں ہی سہی' مرنے جینے کا اختیار دے رہا ہے۔

حدیث پر ایک اور زاویے سے بھی بات ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ وہی ہیں جو ایام حرہ میں (یعنی جب یزیدی لشکر مدینہ منورہ کو پامال کر رہا تھا اور مسجد نبوی میں اذان نہیں ہوتی تھی) خاص روضہ سرکار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اندر سے آنے والی اذان پر نماز پڑھتے تھے (البدایہ والنہایہ) اور اس حدیث کی مرکزی راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد پردے کا بہت زیادہ اہتمام نہ کرتے ہوئے بھی ان کی مقدس قبروں میں حاضر ہو جایا کرتی تھیں مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک بن گئی تو اب پردے کے خاص اہتمام سے وہاں آتی تھیں۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ پہلے تو میرے شوہر نامدار تھے اور پھر دوسرے والد ماجد (گویا دونوں محرم) اب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قبر میں آنے کی وجہ سے یہ اہتمام خصوصی ہے۔ (مسند احمد)

گویا حضرت سعید بن مسیب ہی کا نہیں' ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے دونوں وزیر اپنی اپنی مقدس قبروں میں موجود بھی ہیں' زندہ بھی اور زائرین کو دیکھتے جانتے بھی ہیں۔

آیئے اب تیسرے راوی حضرت عروہ بن زبیر جو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ

رضی اللہ عنہم کے حقیقی بھانجے ہیں‘ کی روایت جو بخاری شریف میں ہے‘ ملاحظہ فرمایئے :

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ زُبَيْرٍ لَمَّا سَقَطَ عَلَيْهِمُ الْحَائِطُ فِي زَمَانِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ اَخَذُوا فِي بِنَاءِهٖ فَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوا وَ ظَنُّوا اَنَّهَا قَدَمُ النَّبِيِّ صلى الله تعالى عليه وسلم فَمَا وَجَدُوا اَحَدًا يَعْلَمُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَالَ لَهُمْ عُرْوَةُ لَا وَاللّٰهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ صلى الله عليه تعالى وسلم مَا هِيَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ (بخاری شریف)

ترجمہ : ”حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرے کی دیوار گر گئی تو (صحابہ و تابعین) اس کو بنانے لگے۔ انہیں ایک قدم نظر آیا تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے گمان کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے تو اس وقت کوئی حقیقت حال جاننے والا بھی نہ ملا۔ یہاں تک کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے فرمایا ”نہیں اللہ کی قسم یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم پاک نہیں ہے یہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم انور ہے“۔

اس حدیث پاک سے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ہی نہیں‘ صحابہ و تابعین کا اجماعی عقیدہ بھی سامنے آ جاتا ہے کہ وہ سب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں وزیروں کو ان کی قبروں میں جسمانی حیات کے ساتھ زندہ مانتے تھے اسی لیے تو ایک (مقدس) قدم دیکھ کر گھبرا گئے کہ کہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہو۔ مشاہدے نے بھی ثابت کر دیا کہ ان کا عقیدہ درست تھا کیونکہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک تریسٹھ برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہر تغیر سے محفوظ رہا تھا تو یقیناً ان کا سارا جسم پاک بھی محفوظ ہو گا اور پھر خود جان حیات حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے جسم اقدس کا کیا حال ہو گا۔ نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کراچی کے ملحد کا یہ خیال غلط ہے کہ انبیاء و شہداء قبروں میں نہیں، جنت میں زندہ ہیں۔

نیز حضرت امام بخاری نے یہ حدیث درج کر کے ثابت کر دیا کہ ان کا اپنا عقیدہ بھی وہ نہیں جس کا ڈھنڈورا کراچی کا ملحد پیٹ رہا ہے بلکہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے عین مطابق ہے (اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی قبروں میں جسمانی حیات کا) موقع کی مناسبت سے ایک اور حدیث کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمایئے جو موطا امام مالک (رضی اللہ عنہ) میں ہے جو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حدیث کی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی معصعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو مسلم کے دو انصاری صحابی حضرت عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی قبر کے کچھ حصے کو سیلاب بہا کر لے گیا ہے۔ دونوں کی قبر ایک تھی اور دونوں غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ ان کی قبر کو کھودا گیا تاکہ ان کے جسموں کو کہیں اور منتقل کیا جائے تو ان کو اس حال میں پایا گیا گویا کل ہی فوت ہوئے ہوں۔ ان میں سے ایک زخمی تھے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حال میں دفن کیے گئے تھے۔ پھر ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو پھر اپنی جگہ پر آگیا۔ جنگ احد اور قبر کھودنے کے واقع کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔ (موطا شریف)

ملحد کا سارا زور اس پر ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد قبروں میں نہیں بلکہ جنت میں ہیں۔ اس کے جواب میں کافی کچھ وضاحت ہو چکی۔ تاہم دو حدیثیں مزید حاضر ہیں۔ ایک میں قبر مبارک کے کھلنے کا ذکر ہے اور دوسری میں اس سے اٹھنے کی کیفیت۔ چنانچہ

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَوَّلُ مَنْ یُنْشَقُّ عَنْہُ

ترجمہ: "یعنی میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا"

الجامع الصغیر جلد ۲ کی ایک صحیح حدیث کا آخری حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِیْ حَتّٰی يُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَاَرُدَّنَّ عَلَيْهِ

ترجمہ: "اور ضرور وہ میری قبر پر آئیں گے حتیٰ کہ مجھے سلام کہیں گے اور میں ضرور ضرور ان کو جواب اسلام دوں گا"۔

قبر نبوی کی زیارت کی احادیث:

رسلیا کے صفحہ ۷ پر اس ملحد نے ایک عنوان باندھا ہے۔ "قبر نبوی کی زیارت کی فضیلت کی بناوٹی روایتیں"۔ اس سلسلے میں اس نے صرف دو حدیثوں کو ضعیف بلکہ موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا اسی سے یہ حقیقت روشن نہیں ہو جاتی کہ بالفرض وہ سچا ہو تو بھی ان دو کے سوا باقی تمام روایات (جو آگے آرہی ہیں) صحیح اور واضح ہیں۔

ان حدیثوں میں جو اس نے پہلے لکھی ہے وہ ہے:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ (بزار)

اس حدیث پر وہ بہت برسا ہے اور اسے ضعیف بلکہ موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی تحقیق کے مطابق بھی وہ زیادہ سے زیادہ ضعیف کہہ سکتا تھا مگر اس کا گستاخ قلم اتنے پر قناعت کیوں کرتا۔ حضرت علامہ سبکی علیہ الرضوان نے شفاء السقام میں اس کی سند پر بہت بحث کی اور ثابت کیا ہے کہ اس کے راویوں پر الزامات بے بنیاد ہیں اور بعض محدثین کے نزدیک یہ صحیح ہے۔

اب ایک طرف ایک کج ذہن ملحد ہے اور دوسری طرف ایسا علامہ جس کی شخصیت خود سند ہے۔ کون سا بیوقوف ہو گا جو علم و فضل کے ایسے وسیع سمندر کے

مقابلے میں بغض و کدورت کی ایک گندی نالی کو ترجیح دے۔

لیجئے دوسری روایت جسے اس نے موضوع ثابت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ نَائِیًا مِنْ قَبْرِیْ اُبْلِغْتُهٗ

ترجمہ: "جس نے مجھ پر مری قبر کے قریب درود پڑھا، اسے میں نے سن لیا اور جس نے دور سے پڑھا، وہ مجھے پہنچادیا گیا"۔

اس روایت کے موضوع ثابت ہونے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ ان علماء دیوبند کی دلیل ہے جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے تو قائل بنتے ہیں مگر عالمگیر سماعت کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک یہی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ مقدسہ پر حاضر ہونے والوں کا سلام سنتے ہیں، دور سے درود و سلام کا تحفہ فرشتے پیش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو روایت ہماری دلیل ہے، بحمد للہ بالکل صحیح ہے اب اسے دیکھئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّهٗ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلٰٓئِکَۃُ لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُّصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُهٗ حَیْثُ کَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ (جلا الافہام، بحوالہ ترغیب للحافظ المنذری)

ترجمہ: "جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ درود پڑھا کرو۔ اس لیے کہ وہ حاضری کا دن ہے۔ اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جو بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے (یعنی میں اس کی آواز سنتا ہوں) وہ جہاں بھی ہو، ہم (صحابہ) نے عرض کیا، حضور آپ کے وصال کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی، بے شک اللہ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے"۔

اگر اس قسم کے ملحدین کا حدیث صحیح پر واقعی ایمان ہے تو انہیں مان لینا چاہیے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر منور میں زندہ ہی نہیں' دور و نزدیک پڑھے جانے والے درود و سلام کی ساری آوازیں سماعت بھی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ہم تفصیل سے گزشتہ صفحات میں ثابت کر آئے ہیں۔

ملحدانہ فکر کی اصل جڑ انکار کمالات نبوت ہے اور اس کا مقصد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے امت کا رابطہ ختم کرنا ہے۔ اسی لیے وہ حیات النبی کے منکر ہیں اور حیات شہداء کے انکار سے بھی ان کا یہی مقصود ہے۔ کتنے ستم کی بات ہے کہ اہل بیت' صحابہ' تابعین' تبع تابعین کے بعد ساتویں صدی ہجری تک کے فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کا انکار کیا اور نہ روضہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے سفر کو گناہ قرار دیا۔ آٹھویں ہجری میں ابن تیمیہ پیدا ہوا جس کے بارے میں علما فرمایا کرتے تھے:

عِلْمُهُ اَكْبَرُ مِنْ عَقْلِهِ

ترجمہ: "اس کا علم اس کی عقل سے زیادہ ہے"۔

نے زیارت دربار رسول ﷺ کی نیت سے سفر کو تو جائز نہ سمجھا البتہ قبر منور میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی موجودگی اور حیات سے اسے بھی انکار نہیں تھا۔

ایک یہ بدنصیب ہے کہ شقاوت و سنگدلی میں اس سے بھی آگے نکل گیا اور حیات کے انکار پر تل گیا۔ چنانچہ وہ روایات جن سے کسی نے بھی قبور مقدسہ میں انبیاء کرام علیہم السلام اور شہداء عظام علیہم الرضون کی حیات کا انکار نہیں کیا' اس نے بزعم خویش یہی ناپاک مفہوم لیا یہ کیوں' خود وہ لکھتا ہے:

"قبر میں مردہ کے زندہ ہو جانے کا عقیدہ ہی تو قبر پرستی کی جڑ ہے"۔

گویا اگر قبر پرستی نہ ہوتی تو پھر اہل قبور کو زندہ ماننے میں اسے تامل نہ ہوتا۔

سچی بات ہے کہ بعض لوگ اپنی آوارہ سوچ کے ساتھ پہلے کوئی عقیدہ ٹھہرا لیتے ہیں اور پھر اس عقیدے کی روشنی میں آیات و روایات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یعنی انہیں

قرآن و سنت سے عقیدہ نکالنے سے تو پرہیز ہوتا ہے البتہ اپنے عقیدے کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں یعنی

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

یہ ملحد مرگیا اور اپنے انجام کو پہنچا۔ شاید زندہ رہتا تو چند سال کے بعد اعلان کر دیتا کہ "قبر پرستی" کی بنیاد قبر کا موجود ہونا ہے لہٰذا مردوں کو قبروں میں دفن کرنے کی بجائے کسی دریا یا ندی نالے میں بہا دیا کریں یا آگ میں جلا دیا کریں۔ جنت البقیع جیسے مقدس مقامات میں جن لوگوں نے بلڈوزر چلائے تھے، کیا ان کی ذہنیت کچھ ایسی ہی نہیں تھی۔

یہ شخص جس کی ناپاک تحریر کا جواب دیا گیا ہے، بغض رسالت نے اسے بالکل پاگل بنا رکھا تھا۔ مگر اس قسم کا طرز فکر کہ مخصوص مصلحتوں کے پیش نظر زندہ حقیقتوں کا انکار کر دیا جائے۔ علم و فضل کے بڑے بڑے مدعیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا یہ ارشاد --- ایک جگہ فرماتے ہیں (مردوں کے سننے کے بارے میں):

"دونوں طرف اکابر ہیں اور دلائل، ایسے اختلافی مسئلہ میں کون فیصلہ کر سکتا ہے"۔ (امداد الفتاویٰ، ج ۵)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"البتہ عوام کا سا اعتقاد کہ ان کو حاضر و ناظر تصرف مستقل فی الامور سمجھتے ہیں یہ صریح ضلالت ہے۔ اگر اس کی اصلاح بدوں انکار سماع نہ ہو سکے تو انکار سماع واجب ہے۔ (التکشف)

یعنی پہلے مسئلے کو مشکوک کر دیا اور پھر مزید ہٹ دھرمی کہ اولیاء کرام کے فضائل و کمالات کے عقائد کا انکار کرانے کے لیے اہل قبور کے سننے کا انکار واجب ٹھہرا دیا۔ یہ ہے گھر کی شریعت۔ گویا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مردے زندہ کرنے کی وجہ

سے انہیں خدا مانتے ہیں تو ڈٹ جاؤ کہ عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر سوچئے کیا قرآن پاک نے اس طرز فکر کی تائید فرمائی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو بیان فرمایا مگر ساتھ ان کے خدا ہونے کی نفی کر دی اور دلیل دی کہ یہ کمالات عیسیٰ علیہ السلام کے ذاتی نہیں تھے بلکہ عطائی تھے اور عطائی کمالات والا خدا نہیں ہو سکتا۔ تھانوی صاحب نے اول تو عوام المسلمین پر شرک کا فتویٰ دیا اور وہ بھی جھوٹا الزام لگا کر۔ کیونکہ کوئی مسلمان بھی خدا کے سوا کسی کو خدا کی طرح حاضر و ناظر، متصرف اور مستقل فی الامور نہیں سمجھتا۔ جس کی جتنی شان مانتا ہے، اللہ کی عطا سے مانتا ہے اور جو عطائی شان مانتا ہے اس کی بنیاد بھی آیات و روایات پر ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت بلقیس لانے کا واقعہ مذکور ہے۔ اس سے اولیاء کرام کی خداداد طاقت و تصرف بالکل واضح ہے۔ پھر حدیث بخاری میں ہے:

كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ

ترجمہ: "(خدا اپنے بندۂ محبوب و مقرب کے بارے میں فرماتا ہے کہ میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے"۔

لہٰذا وہ اہل ایمان کتاب و سنت کی روشنی میں اولیاء کرام کے خداداد کمالات مانتے ہیں۔ کتنا غضب ہے جناب تھانوی انہی کا انکار کرانے کے لیے مردوں کی سماعت کا انکار واجب ٹھہرا رہے ہیں۔ حالانکہ یہ مسئلہ احادیث صحیحہ سے پوری طرح واضح ہے۔ حتیٰ کہ علماء دیوبند میں بھی جو لوگ کچھ نہ کچھ خدا کا خوف رکھتے تھے، اس کا اقرار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ مثلاً مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری نے فیض الباری میں لکھا:

اَلْاَحَادِيْثُ فِيْ سَمَاعِ الْاَمْوَاتِ قَدْ بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ (فیض الباری، ج ۲)

ترجمہ: "مردوں کے سماع میں حدیثیں تواتر تک پہنچ چکی ہیں"۔

منافقین کا فکر و عمل:

ایمان کا اولین تقاضا بلکہ اس کی جان اگر محبت رسول اور تعظیم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے تو منافقت کا اولین تقاضا بلکہ اس کی جان بغض رسول اور گستاخی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ مومن کو ہر دوست، رشتے اور بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب، حبیب خدا حضور محمد مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء ہیں اور اس کے نقطہ نظر کے مطابق جس چیز کو حضور پرنور صلی اللہ علی وسلم سے نسبت کا شرف حاصل ہو، محبوب ہے۔ بلکہ عشق و محبت کی پہچان یہی ہے کہ محبوب کے اہل بیت، اصحاب، گھر، شہر، وطن، آثار و تبرکات اور دیگر متعلقات سے بھی پیار اور ان کی تعظیم ہو۔ جب کہ کسی شخص سے بغض و کدورت کی پہچان یہ ہے کہ ایسی سب اشیاء سے بغض و کدورت ہو۔ چنانچہ منافق کا یہی حال ہوتا ہے۔ مسجد نبوی کے مقابلے میں مسجد ضرار کا بنانا، ذوق سجدہ و شوق بندگی کی بناء پر نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب مسجد کی طرف سے توجہ ہٹانا اور مسجد کے نام پر اہل نفاق کو ایک مرکز مہیا کرنا مقصود تھا۔ خود دربار رسالت سے ان کے تعلق کا کیا حال تھا، یہ بھی قرآن پاک سے پوچھئے۔ (صرف ایک آیت مثال کے لیے):

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (المنفقون-۵)

ترجمہ: "اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں"۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار در بار سے منہ پھیرنا منافقت کا اصل الاصول ہے۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ گر تھے تو بھی منافقین کا یہی طرز فکر و عمل تھا اور اب آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم قبر مقدس میں رونق

افروز ہیں تو بھی انہیں آپ کی بارگاہ میں جانا ناگوار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کا فکر و عمل بھی یہی تھا اور اسے اللہ کے محبوبوں سے بھی بیر ہے اور ان کے مقابر سے بھی کدورت۔ دیکھئے تفسیر عزیزی میں:

ترجمہ: "محدث ابن ابی الدنیا "مکائد الشیطان" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت لائے ہیں کہ ایک دن ابلیس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو بولا اے موسیٰ! حق تعالیٰ نے آپ کو رسالت اور ہمکلامی کا شرف بخشا ہے۔ میں گنہگار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ توبہ کر لوں۔ میری شفاعت کیجئے کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں جناب الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ تیری توبہ قبول فرمالے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا میں مشغول ہو گئے۔ بارگاہ خداوندی سے فرمان پہنچا کہ حق تعالیٰ نے تمہاری شفاعت سے اس کی توبہ قبول فرمالی۔ اسے فرماؤ کہ حضرت آدم کی قبر کی طرف منہ کر کے سجدہ کرے تاکہ اس کی تقصیر بخش دوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابلیس بولا میں نے اسے زندہ تھا تو سجدہ نہیں کیا' اب مردے کو سجدہ کیوں کروں ۔۔۔۔ الخ"۔

دیکھ لیا' یہ ہے شیطانی ذہنیت (اور یہ ہے شیطانی توحید) خدا بھی فرمائے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو وہ شیطان ہی کیا جو سجدہ کر دے اور پھر وہی رب یکتا فرمائے اس کی قبر کو سجدہ کر دے تو گناہ معاف اور لعنت موقوف' مگر شیطان کو جہنمی اور لعنتی بن جانا منظور ہے' اللہ کے محبوبوں کی تعظیم منظور نہیں۔

اب ہمارے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے سجدۂ تعظیم کو بھی خدا کے سوا دوسروں کے لیے حرام قرار دے دیا مگر تعظیم کی دوسری شکلیں جنہیں جائز رکھا' شیطان کو تو وہ بھی برداشت نہیں اور لحہ بہ لحہ حزب الشیطن کی قیادت کرتے ہوئے انہی کے خلاف وسوسے ڈالتا ہے اور پروپگنڈا بھی کرتا ہے۔ پھر پروپیگنڈا بھی توحید کے نام پر۔

کتنا خوبصورت انداز ہے دھوکا دینے کا۔ اللہ بچائے اس شیطانی توحید سے جو اتنی خطرناک ہے کہ ہمیشہ کے عذاب اور ہمیشہ کی لعنت سے بھی بے نیاز کر دیتی ہے۔

دیکھئے حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہیں۔ رحمتوں کی موسلا دھار بارش ہے۔ انوار سے دل و ضمیر کے آئینے جگمگا رہے ہیں۔ کفر و شرک کے زنار ٹوٹ رہے ہیں اور ایک آن میں خود پرست خدا پرست بلکہ خدا شناس ہو رہے ہیں۔ جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگ اسرار معرفت کے موتیوں سے دامن بھر رہے ہیں۔ جنت و مغفرت کی سندیں تقسیم ہو رہی ہیں۔ خود خالق کائنات گنہگاروں کو در محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بلا رہا ہے اور فرما رہا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء، ٦٤)

ترجمہ: "اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں۔ پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنزالایمان)

گویا اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے مایوس نہ ہوں، اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کرالیں تو اللہ کو تواب (یعنی بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا) اور رحیم (از حد مہربان) پائیں گے۔ مگر آئیں گے تو وہ جو اللہ کی توابی و رحمت سے سیراب ہونا چاہتے ہیں۔ وہ کیوں آئیں، جنہیں جہنم میں جانا تو منظور ہے، در محبوب پر حاضر ہونا منظور نہیں۔ حضور تو بالمومنین روف رحیم (یعنی مومنوں پر خاص شفقت و رحمت فرمانے والے ہیں) دنیا میں جلوہ افروز تھے تو بھی امت کے لیے استغفار کرتے تھے اور روضہ پرنور میں ہیں تو بھی یہی کام کرتے ہیں۔ دیکھئے حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ کا ارشاد (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر انور میں اشغال کے بارے میں):

اَلنَّظَرُ فِی اَعْمَالِ اُمَّتِہٖ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ مِنَ السَّيِّاٰتِ وَالدُّعَاءُ بِكَشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ وَالتَّرَدُّدُ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ لِحُلُوْلِ الْبَرَكَةِ فِيْهَا وَحُضُوْرُ جَنَازَةِ مَنْ مَّاتَ مِنْ صَالِحِیْ اُمَّتِہٖ فَاِنَّ هٰذِهِ الْاُمُوْرَ مِنْ جُمْلَةِ اَشْغَالِہٖ فِی الْبَرْزَخِ كَمَا وَرَدَتْ بِذٰلِكَ الْاَحَادِيْثُ وَالْاٰثَارُ (انباء الاذکیاء)

ترجمہ: ۱۔ اعمال امت پر نظر اور ان کے لیے گناہوں سے بچنے (اور بخشش) کی دعا۔

۲۔ ان سے مصائب دور کرنے کی دعا۔

۳۔ زمین کے مختلف خطوں میں برکت دینے کے لیے تشریف لے جانا۔

۴۔ صالحین امت میں سے جو وفات پائے اس کی نماز جنازہ میں حاضر ہونا۔

بے شک یہ امور برزخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشغال میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث و آثار میں وارد ہے۔ اتنی رحمتوں کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص غرور و تکبر کے خول سے نکل کر اپنی بخشش کرانے کا آرزو مند نہیں تو کسی اور کا کیا نقصان۔ ؎

در فیض محمد وا ہے' آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

جو بدبخت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے اپنی بخشش کرانے سے جی چراتا ہے' خدا بھی اس کو بخشش سے محروم رکھنے کا اعلان کر چکا ہے۔ (یعنی اس مردود کا فیصلہ یہ ہے کہ بخشش اگر ان کے در پر جا کر ہی ہونی ہے تو بخشش بھی منظور نہیں اور اس قہار و جبار جل جلالہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر ان کے در سے پھرتا ہے تو تیری بخشش کی بھی کوئی صورت نہیں۔ دیکھیے اللہ کے کلام کا دو ٹوک انداز۔ سورۃ المنفقون کی

آیت ۵ اوپر آچکی ہے جس کا ترجمہ دوبارہ ملاحظہ فرمایئے:

"جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لیے معافی چاہیں تو اپنے سر گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو کہ غرور کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں"۔

اب اگلی (یعنی آیت نمبر ۶) ملاحظہ ہو:

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

ترجمہ: "ان پر ایک سا ہے تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو، اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا، بے شک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا"۔

دوسرے مقام پر جوش غضب دیکھیے:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○

ترجمہ: "تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو، اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں کی راہ نہیں دیتا"۔ (کنزالایمان)

دربار رسالت اور اس کی حاضری:

حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما تھے تو بھی کونین کی پناہ گاہ تھے اور دارین کے لیے دارالسلام اور دارالامان۔ جن و بشر تو کجا مویشی اور پرندے تک حاضر ہو کر فریاد کرتے اور داد پاتے۔ (جیسا کہ احادیث و معجزات کی کتابوں میں کئی واقعات ملتے ہیں) اب روضہ پرنور میں ہیں تو بھی رحمۃ للعلمین ہیں اور درد و غم کے مارے گناہوں میں ڈوبے ہوئے احساس ندامت اور امید کرم لے کر بارگاہ رسالت

میں اسی طرح حاضر ہوتے ہیں جیسے وصال شریف سے پہلے حاضر ہوتے تھے۔ صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین' آئمہ مجتہدین' فقہاء و محدثین' صوفیہ و عارفین اور خلفاء و سلاطین سب نے اس پر اتفاق کیا اور اپنے اپنے دور میں روضہ پرنور پر بھی حاضری دیتے رہے۔ ان بزرگوں میں ایک بھی شخصیت ایسی نہیں ملتی جس نے اس سعادت کو ٹھکرایا ہو۔ کتب احادیث میں وہ مکالمہ بھی موجود ہے جو مروان بن الحکم اور (میزبان رسول) حضرت سیدنا ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوا تھا۔

پھر حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ منصور عباسی کی گفتگو بھی محفوظ ہے جو دربار رسالت میں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے پاس) ہوئی۔ چنانچہ شفا شریف میں ہے خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے بات کر رہا تھا کہ آواز بلند ہو گئی۔ حضرت امام نے فرمایا امیرالمومنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا ہے:

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ.....

ترجمہ: "اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں مت بلند کرو"۔

اور ایک قوم جو آداب بجالائی' اس کی تعریف یوں کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ○

ترجمہ: "بے شک جو لوگ رسول اللہ کے حضور اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں' اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے آزما لیا' انہی کے لیے بخشش ہے اور اجر عظیم"۔

اور ایک قوم کی یوں مذمت فرمائی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا

يَعْقِلُوْنَ ○

ترجمہ : "بے شک جو حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وصال شریف کے بعد بھی پہلے کی طرح ہے۔ خلیفہ منصور کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا بتایئے قبلے کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا قبر منور کی طرف کر کے۔ آپ نے فرمایا ان سے کیوں منہ پھیرتے ہو جو تمہارے بھی وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم کے بھی (علیہما السلام) پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی ولو انھم اذ ظلموا.....

حقیقت یہ ہے کہ ولو انھم اذ ظلموا.... والی آیت جس میں اللہ جل مجدہ نے اہل ایمان کو اپنے گناہ بخشوانے کے لیے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بلایا ہے، امت میں سے کسی نے بھی اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے دور تک محدود و مخصوص نہیں سمجھا بلکہ سب کے نزدیک اس کا حکم نافذ ہے اور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت وصال شریف کے بعد بھی زندہ ہے اور امت کا دنیا میں سب سے بڑا سہارا ہے--- رحمتہ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضران تمام نعمتوں، دولتوں، رحمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے جن کے لیے پہلے تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد علوی مالکی مدظلہ العالی جو مکہ معظمہ میں دور حاضر کے بہت بڑے محقق ہیں، اپنی عظیم کتاب "ذخائر محمدیہ" (میرے پاس اس کا ترجمہ ہے جو جناب مفتی محمد خان قادری صاحب اور ڈاکٹر غلام شبیر قادری صاحب نے کیا ہے) میں ایک اہم عنوان "زائر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل" کے تحت فرماتے ہیں: علماء نے زیارت قبر نبوی کرنے والے شخص کے بارے میں کہا کہ اسے کم از کم یہ دس فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں:

۱۔ اسے اعلیٰ مراتب عطا کیے جاتے ہیں۔ ۲۔ اعلیٰ مطالب کا حصول۔

۳۔ اہم منافع کا حصول ۴۔ عظیم عطیات کا حصول۔

۵۔ عظیم مصیبتوں میں امن نصیب ہوتا ہے۔ ۶۔ عیوب و نقائص سے تطہیر۔
۷۔ مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ ۸۔ مشکلات کا ازالہ ہوتا ہے۔
۹۔ انجام اچھا ہوتا ہے۔ ۱۰۔ رب کریم کی خصوصی رحمت کا حصول۔

یہ تھی آیہ قرآنی کی ترجمانی و تفسیر۔ اب آیئے ارشادات رسالت ماب کی طرف (علیہ الصلوۃ والسلام) صرف چند ایک پیش خدمت ہیں۔

۱۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ (دار قطنی۔ بیہقی وغیرہ)

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت ضروری ہو گئی"۔

حضرت علامہ ابوالحسن علی تقی الدین سبکی شافعی قدس سرہ نے "شفاء السقام فی زیارت خیر الانام" میں اس کی سند پر بحث کر کے اسے "حسن" بلکہ صحیح قرار دیا۔

۲۔ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ (بزار)

ترجمہ: "جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی"۔

"شفاء السقام" کے مطابق بعض محدثین نے اسے صحیح کہا ہے۔ جن راویوں پر کچھ کلام ہوا ہے، وہ امام سبکی کے نزدیک بہرحال فسق و کذب سے بری ہیں۔

۳۔ مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَهٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَه۔ (کبیر و اوسط طبرانی۔ امالی دار قطنی وغیرہ)

ترجمہ: "جو شخص زیارت کے لیے میرے پاس آیا اور اس کو اس عمل میں زیارت کے سوا کسی حاجت نے نہیں لگایا تو میرے اوپر حق ہو گا کہ میں قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں"۔

"شفاء السقام" میں محدث ابن السکن کے حوالے سے "صحیح" کہا گیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ بعض روایات میں لا یعملہ کی بجائے لا ینتزعہ ہے۔ دونوں ہم معنی ہیں۔

۴- مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ -(دار قطنی- طبرانی وغیرہ)

ترجمہ: "جس نے حج کیا پھر میرے وصال کے بعد میری زیارت کی تو اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی"۔

امام سبکی قدس سرہ نے اس حدیث کی سندوں پر جو اعتراضات تھے' ان کا شافی جواب دیا ہے۔ یہ حدیث یوں بھی وارد ہے:

مَنْ حَجَّ فَزَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔

ترجمہ: "جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری زیارت کی' اس جیسا ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"۔

۵- مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

ترجمہ: "جس نے حج بیت اللہ تو کیا مگر میری زیارت نہ کی' اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔

۶- مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا۔

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت کی یا (ایک روایت کے مطابق) میری زیارت کی' میں اس کا شفیع ہوں گا یا گواہ"۔

امام سبکی نے اس کی سند پر کیے جانے والے تمام اعتراضات کا مکمل جواب دیا ہے:

۷- مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَہ۔ (عقیلی)

ترجمہ: "جو قصداً میری زیارت کرے گا' وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہو گا"۔

اس روایت کی سند سے بھی امام موصوف نے اعتراضات اٹھا دیئے

۸- مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ-
(دار قطنی)

ترجمہ: "جس نے میرے وصال پر میری زیارت کی، اس نے گویا زندگی میں میری زیارت کی"۔

۹- مَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ لَہٗ سَعَۃٌ ثُمَّ لَمْ یَزُرْنِیْ فَلَیْسَ لَہٗ عُذْرٌ-

ترجمہ: "میری امت میں سے جو طاقت و گنجائش کے باوجود میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں"۔

۱۰- مَنْ زَارَنِیْ حَتّٰی یَنْتَہِیْ اِلٰی قَبْرِیْ کُنْتُ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ شَہِیْدًا اَوْ شَفِیْعًا-

ترجمہ: "جس نے میری زیارت کے لیے سفر کیا حتیٰ کہ میری قبر تک پہنچا، قیامت کے دن میں اس کا گواہ بنوں گا یا (فرمایا) شفیع ہوں گا"۔

۱۱- مَنْ لَمْ یَزُرْ قَبْرِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ-

ترجمہ: "جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔

نوٹ: "شفاء السقام" اسی موضوع پر ہے مگر یہاں اس میں صرف چند احادیث درج کی گئی ہیں۔

حضرت علامہ سبکی علیہ الرحمتہ کی تحقیق کے مطابق ساری امت کا یہی معمول ہے۔ اب اگر کسی بد دماغ نے کوئی اور راہ نکالی اور امت کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار میں حاضر ہونے سے روکا ہے تو یہ اس کی اپنی بد نصیبی ہے۔ اس کے بارے میں قرآن پاک کا یہ فتویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْہُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (النساء:۱۱۵)

ترجمہ: "اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے، اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی"۔

اکا دکا آدمی کے ادھر ادھر بھٹکنے سے ساری امت کا فیصلہ غلط نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ الزام اسی بھٹکنے والے پر آئے گا جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔ اجماع کے خلاف چلنے سے کفر کا خطرہ (بلکہ عین کفر) ہے۔ اس سلسلے میں ایک عبرت آموز واقعہ سنئے۔ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ نے افضل الصلوات علیٰ سید السادات میں لکھا ہے:

"آپ (یعنی شیخ ابو المواہب رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے، میرے اور جامع ازہر کے ایک شخص کے درمیان قصیدہ بردہ شریف کے اس شعر پر جھگڑا ہوا۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْہِ اَنَّہٗ بَشَرٌ
وَاَنَّہٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ کُلِّہِمِ
وَکُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِہٖ بِھِمِ

(ترجمہ: سو علم کی رسائی یہیں تک ہے کہ وہ بشر ہیں اور بیشک ساری مخلوق سے افضل و بہتر ہیں اور جتنے معجزے تمام رسول لائے ہیں سو بیشک آپ کے نور سے ان کو ملے ہیں)

اس نے مجھے کہا، کیا آپ کے پاس اس پر کوئی دلیل بھی ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں) میں نے کہا، اس پر اجماع ہے، مگر وہ نہ مانا۔ پھر میں نے (اسی روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جامع ازہر کے منبر کے پاس جلوہ گر دیکھا۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے ہمارے دوست خوش آمدید۔ اور

اپنے صحابہ سے فرمایا، تمہیں معلوم ہے آج کیا واقعہ ہوا۔ انہوں نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا، فلاں شخص کا اعتقاد ہے کہ فرشتے مجھ سے افضل ہیں۔ سب نے مل کر کہا، نہیں ہیں، یارسول اللہ۔ پھر سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا، فلاں شخص کا کیا حال ہے جو زندہ نہیں رہے گا اور زندہ رہا تو ذلیل و خوار اور دنیا و آخرت میں گمنام ہو کے رہے گا۔ اس کا خیال ہے کہ فرشتوں سے میرے افضل ہونے پہ اجماع نہیں۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ معتزلہ کی اہلسنّت سے مخالفت اجماع میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتی۔

مختصر یہ کہ ساری امت کے اکابر کو چھوڑ کر صرف چند سرپھروں کی رائے پر اعتماد کر لینا کہاں کی دانشمندی اور خدا ترسی ہے۔ بالخصوص ایسے سرپھرے جنہیں امتی کہلانے کے باوجود حضور سرور دوعالم رحمت کونین ﷺ سے خواہ مخواہ کا بیر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے مایوس اور اسلام سے متنفر ہو چکے ہیں۔ بعض دنیوی و شیطانی مصلحتوں کی بنا پر رسوائی کے خوف سے کھلم کھلا مرتد ہونے کی جرات نہیں، اس لیے بظاہر قرآن کا یا حدیث کا انکار نہیں کر پاتے ورنہ "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" کے مصداق ہیں۔

اسی صورت حال کے پیش نظر اب آخر میں چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ خدارا ان پر غور کیجیے۔

برادران اسلام سے گزارشات

۱۔ دنیا میں ہزاروں قسم کی دولتیں اور نعمتیں ہیں مگر سب سے بڑی دولت و نعمت ایمان ہے۔ نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ باقی دولتیں اور نعمتیں سب فانی ہیں اور ایمان نہ ہو تو وبال و عذاب کا باعث۔ لہٰذا اگر ہم دنیوی دولتوں اور نعمتوں کی حفاظت کا اہتمام ضروری سمجھتے ہیں تو ایمان کی حفاظت سے بے نیاز کیوں ہوں۔

۲۔ ایمان کی روح حضور سرور کائنات ﷺ کی محبت ہے۔ یعنی اگر یہ محبت محفوظ ہے تو ایمان محفوظ ہے اور اگر خدانخواستہ یہی محفوظ نہیں تو ایمان بھی محفوظ نہیں۔ خدا سے، قرآن سے، اسلام سے اور مسلمان بھائیوں سے محبت اسی محبت رسول ﷺ کا ثمرہ ہے، اگر رسول خدا علیہ التحیہ والثناء سے ہی محبت نہیں تو خدا سے اور یونہی قرآن و اسلام سے بھی محبت نہیں ہو سکتی۔

۳۔ جب ہمارا سب سے بڑا سرمایہ محبت رسول ﷺ ہے تو اس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی اہتمام چاہیے۔ ہمیں حتی المقدور شرعی احکام کی پابندی کرنی چاہیے کیونکہ سچی اور کامل محبت محبوب کی غیر مشروط اطاعت کا تقاضا کرتی ہے۔ بقول بہادر شاہ ظفر مرحوم ؎

محبت کا یہ مطلب ہے کہ میں نے
وہی چاہا ہے جو کچھ تم نے چاہا

بلکہ حضور اکرم ﷺ کی محبت جوں جوں پختہ ہوتی جائے گی، شریعت پر عمل کرنا خود بخود آسان ہوتا جائے گا۔ محبت کا دعویٰ اور شریعت سے روگردانی کر کے ہم دو رنگی کا شکار ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز ہم زوال و انحطاط، پسماندگی و پسپائی اور ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے جا رہے ہیں۔ ہمارا عمل ہمارے ایمان کا مذاق اڑا رہا ہے اور دنیا ہمارا مذاق اڑا رہی ہے بلکہ ہمارے کرتوت سے ہمارے دین حنیف کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

۴۔ اسلام کے دشمن ہماری قوت ایمانی کے حیران کن مظاہروں کی تاریخ سے واقف ہیں۔ ان کی اولین کوشش یہی ہے کہ ہمارے اندر یہ قوت مضبوط نہ ہو سکے۔ ہمارا اسلام سے تعلق رہے تو صرف سطحی اور برائے نام حد تک۔ چنانچہ وہ ہمارے ہی ملکی و قومی رہنماؤں کے ذریعے ہمارے اندر سے اسلامی شرم و حیا اور دینی غیرت و حمیت نکالنے کے لیے فحاشی و بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں۔ غیر ملکی فحش لٹریچر کی بھرمار، انڈیا کے فلمی گانوں کا سیلاب، عورتوں کی ننگی تصاویر کا زور، ٹی وی، وی سی آر، ڈش

انٹینا کا طوفان، ان سب کا مقصد وحید نئی نسل کا خدا اور رسول خدا ﷺ سے تعلق توڑنا ہے۔ قادیانیوں کو کلیدی اسامیوں پر متعین کرنا بھی اسی سلسلے کی اہم کڑی ہے۔

اس نازک ترین صورت حال میں ملک و ملت کے سچے خیر خواہوں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور جس حد تک ہو سکے اسلام اور اہل اسلام کے دفاع میں لگ جانا چاہیے۔ ہم ایسے عوام کو بھی بدلتے ہوئے حالات کا رخ پہچان کر اپنی سی تگ و دو ضرور کرنی چاہیے اور کم از کم اپنے ماحول کو ان آلودگیوں سے بچانے کی کوشش تیز کر دینی چاہیے۔ اگر ہم اپنے گھربار، عزیزوں، رشتہ داروں، دوستوں اور شاگردوں کو ہی عریانی، فحاشی اور آوارگی سے بچالیں تو یہ بھی بڑی سعادت ہے۔ اغیار ایسے منصوبوں کے ذریعے ہمارے اندر سے اسلامی غیرت نکالنا چاہتے ہیں۔

۵- اسلام دشمنوں کی سازشوں کا نقطہ عروج یہ ہے کہ امت مسلمہ کو اپنے عظیم کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے دور کر دیا جائے۔ مرد مومن کو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت ہونی چاہیے، اسی کو کمزور نہ کیا جائے بلکہ اس کے ذہن میں ان کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کر دی جائیں۔ مثلاً یہ کہ وہ کسی کے کام نہیں آسکتے۔ انہیں دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہیں۔ اگر انہیں رسول سمجھ کر بھی پکارا جائے تو شرک ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی قبر میں نہیں ہیں، ہیں تو زندہ نہیں بلکہ معاذ اللہ...... زندہ ہیں تو سنتے نہیں، اگر قریب سے سن سکیں تو بھی دور سے نہیں سن سکتے وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان اختلافات کو اس انداز میں ابھارا گیا جیسے کسی عظیم و عمیق تحقیق کا نتیجہ ہوں اور لوگ کم از کم سوچ میں پڑ جائیں کہ دونوں طرف "مولوی" ہیں۔ تاریخ ملت اس بات پر گواہ ہے کہ امت نے ہمیشہ اپنے نبی علیہ السلام کو اللہ کی بارگاہ کا سب سے بڑا وسیلہ سمجھا (اور وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین و ایمان کی جو نعمتیں ارزانی فرمائیں، اپنے اسی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے ہی بخشیں۔ چنانچہ ہمیشہ آفات و مصائب کے بلاخیز طوفانوں میں اسی محبوب سے فریاد کی جسے ارحم الرحمین جل مجدہ نے اپنی بے پایاں رحمتوں کا مظہر اور رحمۃ

للعلمین یعنی کائنات کا فریاد رس بنا کر بھیجا ہے۔ دور اول کا مسلمان فریادی (یعنی صحابی رضی اللہ عنہ) قحط سالی اور امساک باراں کے خلاف اگر یوں فریاد کرتا ہے:

وَ لَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْکَ فِرَارُنَا
وَاَیْنَ فِرَارُ الْخَلْقِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ
(بیہقی)

ترجمہ: "اور ہمارا حضور کے سوا کوئی نہیں جس کے پاس بھاگ کر جائیں اور مخلوق کے لیے جائے پناہ ہے ہی کہاں سوائے رسولوں کے ہاں"۔

تو دور آخر کا حکیم الامت اقبال بھی قوم کی فکری آوارگی کا رونا اسی بارگاہ میں روتا ہے دیکھئے:

کل ایک شوریدہ بارگاہ نبی میں رو رو کے کہہ رہا تھا
یہ مصر و ہندوستاں کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں
یہ زائران حریم مغرب ہزار رہبر بنیں ہمارے
ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے ناآشنا رہے ہیں

اب اگر اسی بارگاہ عرش پناہ کے بارے میں بھی قوم کو گومگو میں مبتلا کر دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ خدا نے جو اس کا آخری سہارا بنایا تھا، دشمن اس سے بھی محروم کرنا چاہتے ہیں۔

کوئی شخص بھی غیر جانبدارانہ تحقیق کر کے دیکھ لے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد کمالات کے بارے میں امت میں دو رائیں نہیں ہوئیں (جیسا کہ گزشتہ اوراق میں آپ حضرت شیخ محقق علیہ الرحمتہ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں) اب اگر دو تین صدی سے صورت حال بگڑی ہے تو اس میں اسلام دشمنوں کی سازشوں کا گہرا دخل ہے۔ دور کیا جائیں، بر عظیم کی تاریخ ہی کھنگال لیں۔ یہاں ساحل مدراس کے چند (سنی) شافعی تاجروں کے سوا اسلام کی تبلیغ کے جو ان گنت صوفیہ بھی تشریف لائے سب (سنی) حنفی تھے۔ (یعنی اعتقادات میں سب سنی تھے۔ ہاں چند تاجر حضرات کے شافعی فقہ پر عمل

کرنے کے باوجود باقی سب حنفیت پر متحد و متفق و مطمئن تھے۔ انگریزوں کے آنے کے بعد حنفیت کو مشکوک بنانے کی کوششیں ہی نہیں ہوئیں' خود وہ ذات پاک جس کا کلمہ پڑھتے ہیں اور

ع خدا کے بعد جس کا اسم اعظم اسم اعظم ہے

کے فضائل و کمالات کو ہی مناظرے اور مجادلے کا عنوان ٹھہرایا گیا۔ یقیناً قوم کی سب سے بڑی بدبختی تھی اور تن کے گورے اور من کے کالے غیر ملکی آقاؤں کی سب سے بڑی سازش اور نحوست--- چنانچہ ملت سے غداری اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بیوفائی کرنے والے ضمیر فروشوں کی سرکاری طور پر پذیرائی کی گئی۔ انہیں بھاری انعامات' خطابات سے نوازا گیا۔ ان کی کتابوں کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی گئی اور کالجوں' یونیورسٹیوں اور پبلک لائبریریوں کی زینت بنایا گیا۔ قیام پاکستان کی تحریک چلی تو انگریزوں کے یہ منظور نظر لوگ مخالفین کے ساتھ تھے۔ پاکستان بنا۔ اس کے بانی حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ (جنہیں یہ لوگ کافراعظم کہا کرتے تھے) سال بعد ہی اللہ کو پیارے ہو گئے اور ان کے بعد ملک سیاسی افراتفری اور بدامنی کا شکار رہا۔ کوئی صحیح معنوں میں مضبوط' باشعور' اسلام دوست اور نکتہ رس شخصیت ملک کی باگ ڈور نہ سنبھال سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے اساسی نظریے کے خلاف سازشیں زور پکڑتی گئیں اور وہ عقائد جنہیں خاص مصلحتوں کے تحت یہاں متعارف کرایا گیا تھا' ان کے اظہار و ابلاغ میں کوئی خاطر خواہ کمی آنے کی بجائے کچھ اور بھی زور و شور سے پھیلائے جانے لگے۔ دیکھنے کو اور کہنے کو کتنے ہی اسلامی ملک آزاد ہیں مگر حقیقت میں ان کے سربراہ عموماً امریکہ نواز اور اسلام دشمن طاقتوں کے پٹھو ہیں۔ آجا کے پاکستان ہی تھا جو کچھ نہ کچھ بچا ہوا تھا مگر موجودہ ارباب اقتدار یہاں بھی یہ کمی پوری کر دی۔ امریکی اقتدار کے جھنڈے گاڑ چکے ہیں اور بھارت کا دست نگر بنا رہے ہیں۔ گویا صلیبی ذہنیت کے حامل جو عیسائی حکمران سازشوں کے ذریعے کل اسلام کے جسد ناتواں کو مزید مجروح کر رہے تھے' آج بھی پوری طرح چوکس ہیں اور اپنی کارروائیوں میں مصروف' ملت اسلامیہ کے

سچے خادموں کو اس صورت حال کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لینا چاہیے اور اپنے گلشن کو بادِ سموم کے ان جھونکوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نئے انداز میں چمن بندی کرنی چاہیے۔ اسلام کے نظریہ اخوت و مروت و مساوات کی اشاعت کرنی چاہیے اور دشمنوں کی سازشوں کو بے نقاب کر کے قوم کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دینا چاہیے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ قوم کم از کم اس نقطے پر متحد ہو جائے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کسی صورت میں برداشت نہیں کی جائے گی۔ سب مسلمان کہلانے والے حضور پر نور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گیت گائیں گے۔ آپ کے فضائل و کمالات بیان کریں اور یورپین مستشرقین اس سلسلے میں جو ہرزہ سرائی کرتے ہیں سب مل کر اس کا جواب دیں گے اور ان کا منہ بند کریں گے۔ اگر تعظیم حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتنا اہتمام بھی ہو جائے تو امید یہ ہے کہ قوم میں پھر مرکزیت پیدا ہوگی، غیرت عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مالا مال ہوگی اور ملت کے دن پھر جائیں گے لیکن پھر اس میں طارق بن زیاد، ارپ ارسلان، محمود غزنوی، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، شہاب الدین غوری، شیر شاہ سوری، اورنگ زیب، علامہ اقبال اور قائداعظم جیسی شخصیتیں پیدا ہوں گی۔

۶- زیر نظر مضمون میں نے اسی جذبے کے تحت لکھا ہے۔ میں نے اپنی ہر تحریر کی طرح اس میں بھی اشتعال انگیزی سے کام نہیں لیا۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بعض لوگوں نے انتہا کر دی ہے اور امت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پر انوار میں حاضری سے روکنے کے اس اوچھے ہتھیار پر آ گئے ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں جلوہ افروز ہی نہیں ہیں۔ میں نے جس انداز سے منکرین کے شبہات کا ازالہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا ہے، آپ مطالعہ فرما چکے ہیں--- خدا شاہد میری تعلیم و تحقیق و تحریر کا سب سے بڑا مقصد حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا بیان ہی ہے اور میرے مرشد کامل بلکہ شیخ الکاملین قیوم زمانی حضور قبلہ عالم اعلیٰ حضرت پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقش لاثانی قدس سرہ النورانی کی توجہ اور تصرف کا نتیجہ

ہے کہ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔۔۔ دشمنوں کی غرض یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے امت کو دور کیا جائے اور اس کے لیے انہوں نے جو بہانے گھڑے تھے، ان کا تانا بانا بکھیر دیا گیا ہے۔ پڑھنے والے محظوظ ہوں تو میرے آقا و مولا، محسن و مربی اور مرشد و ہادی حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے لیے فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ کتاب کا پہلا حصہ ہے جو نقلی دلائل سے پر ہے، دوسرے حصے میں عملی شواہد پیش کیے جائیں گے یعنی ایسے واقعات بیان ہوں گے جن سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری، بندہ نوازی، امت کے حال پر شفقت، وصال کے بعد تبلیغ و اشاعت نمایاں ہوگی۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلوہ والسلام علی سید المرسلین

وعلی الہ الطیبین واصحابہ المتطہرین

وعلی اولیاء امتہ الکاملین

سگ بارگاہ حضور نقش لاثانی

آسیؔ

حواشی

(۱) مثلاً صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ
یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ
النّٰصِحِیْنَ ○ (پارہ ۸، الاعراف ۷۸-۷۹) ترجمہ: "تو انہیں زلزلہ (کے عذاب) نے پکڑ لیا
پس وہ صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور فرمایا
اے میرے (منکر) لوگو بیشک میں نے اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کی مگر تم
نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے"۔ یونہی حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی ہلاک شدہ امت
سے خطاب اسی سورۃ کی آیت نمبر ۹۳ میں مذکور ہے۔

(۲) مثلاً سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۱ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ
عَظِيْمٍ ○ (یعنی ان منافقوں کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی
طرف۔) بڑا عذاب تو دوزخ کا ہوگا، اس سے پہلے کے دو عذاب کون سے ہیں؟ ایک دنیا کی رسوائی،
دوسرا عذاب قبر۔ اسی طرح سورۃ نوح کی آیت نمبر ۲۵ میں قوم نوح کے بارے میں فرمایا: مِمَّا
خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا یعنی اپنی خطاؤں پر ڈبوئے گئے۔ پھر آگ میں داخل
کیے گئے۔ ظاہر ہے یہ غرق ہونے کے فوراً بعد کی جو آگ ہے وہ قبر کی ہے۔ اگرچہ دوزخ ہی سے
آئی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آپ نے پڑھا کہ حکم ہوتا ہے "اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھاؤ،
اسے آگ کا لباس پہناؤ اور اس کے لیے آگ کا دروازہ کھول دو"۔

(۳) یعنی یزید کی اطاعت ہر صورت میں ضروری ہے، خواہ وہ خدا کا مطیع ہو یا نہ ہو۔ حضرت شیخ
عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے مطابق اس نے ایک ہزار سات سو آدمیوں کو مہاجرین و
انصار اور علما و تابعین کے علاوہ شہید کیا اور عورتوں اور بچوں کے علاوہ عوام میں سے دو ہزار
آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔ سات سو حافظ قرآن نیز قوم قریش کے ستانوے افراد کو ظلم کی تلوار سے ذبح
کر ڈالا--- (جذب القلوب) اسی ظلم کی وجہ سے اسے مسلم کی بجائے مسرف کہتے ہیں۔ یہیں سے

اس کے بھیجنے والے "یزید" کا اندازہ کر لیجئے جسے آج بھی بعض خارجی امیر المومنین کہتے ہیں۔

(۴) مسلم شریف کی ایک روایت میں سلام کے الفاظ یہ ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔

(۵) "محتاجُ الیہ" اسے کہتے ہیں جس کی ضرورت ہو، مثلاً زندہ رہنے کے لیے ہمیں ہوا اور پانی کی ضرورت ہے تو گویا یہ چیزیں ہمارے لیے "محتاجُ الیہ" ہیں اور ہوا، پانی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بھی محتاجُ الیہ ہیں۔ گویا آپ کے بغیر ہوا، پانی، روشنی اور خود زندگی بھی موجود نہیں رہ سکتی۔ اعلیٰ حضرت نے حضور ﷺ کو جو جانِ رحمت کہا ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

(۶) بلکہ ایک طویل حدیث پاک میں صراحتاً یہی مفہوم ہے۔

"حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل نے حاضر ہو کر مجھے یوں سلام کیا، السلام علیک یا اول السلام علیک یا آخر السلام علیک یا ظاہر السلام علیک یا باطن میں نے فرمایا، اے جبریل یہ صفات تو اللہ عزوجل کی ہیں کہ اسی کو لائق ہیں، مجھ سے مخلوق کی کیونکر ہوسکتی ہیں۔ جبریل نے عرض کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا کہ حضور پرنور پر یوں سلام عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان صفات سے فضیلت دی اور تمام انبیاء و مرسلین پر ان سے خصوصیت بخشی۔ اپنے نام و وصف سے حضور کے نام و وصف مشتق فرمائے۔ آپ کا نام اس نے اول رکھا کہ سب انبیاء سے پہلے پیدا ہوئے اور آپ کا نام آخر رکھا کہ زمانے کے اعتبار سے آپ آخری امت کی طرف آخری نبی ہیں........ الخ--- (رسالہ ختم نبوت از اعلیٰ حضرت بریلوی بحوالہ شرح شفا از حضرت ملا علی قاری علیہما الرحمہ)

(۷) حضور پرنور ﷺ کے رسول ہونے کی حیثیت سے بہت بڑی شان ہے۔ حضور کے صدقے سچا مومن کامل بھی قدرت کے مقاصد کا مظہر و معیار بن جاتا ہے چنانچہ بقول حضرت اقبال

فطرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے۔

(۸) یعنی حضرت العلامہ احمد بن مبارک سلجماسی رحمتہ اللہ علیہ جنہوں نے یہ ملفوظات جمع کیے ہیں۔

(۹) اس سلسلے میں سنئے حدیث پاک: تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَخِیْہِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُکُوْا ھٰذَیْنِ حَتّٰی یَفِیْئَا (مسلم۔ ج ۲)

ترجمہ: "ہفتے میں دو مرتبہ لوگوں کے اعمال (خدا کے سامنے) پیش کیے جاتے ہیں۔ پیر کے دن اور جمعرات کے دن تو سب مسلمان بندوں کو بخش دیا جاتا ہے سوا اس کے جس کی اپنے (کسی مسلمان) بھائی سے عداوت ہو۔ ان کے لیے حکم ہوتا ہے، صلح ہونے تک انہیں یونہی رہنے دو"۔

(۱۰) جیساکہ مشہور معجزات ہیں اور حدیث پاک کی مستند ترین کتابوں میں مذکور ہیں۔

(۱۱) میں نے اسے ملحد اس لیے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے مُردوں کی برزخی زندگی پر ایک طویل بحث کے آخر میں فرمایا (ترجمہ) "بالجملہ اموات کے ادراک و شعور کا انکار کفر نہیں تو اس کے الحاد ہونے میں کیا شبہ ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ)

(۱۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو یوں گواہی دی اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَبْدَکَ وَنَبِیَّکَ یَشْھَدُ اَنَّ ھٰؤُلَاءِ شُھَدَاءُ وَاَنَّ مَنْ زَارَھُمْ وَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ رَدُّوْا عَلَیْہِ (حاکم نے اسے صحیح کہا، نیز بیہقی) ترجمہ: اے اللہ تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور یہ کہ قیامت تک جو بھی ان کی زیارت کر کے انہیں سلام کہے گا یہ اس کا جواب دیں گے۔

(۱۳) اس سلسلے میں دیکھئے قرآن پاک کا ارشاد (ان پاک بندوں کے بارے میں جنہیں کافر پوجتے ہیں) یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ۔ (بنی اسرائیل) (اور تلاش کرتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔) تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر خازن میں ہے مَعْنَاہُ یَنْظُرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ اِلَی اللّٰہِ فَیَتَوَسَّلُوْنَ بِہٖ۔ یعنی آیت کے معنی یہ ہیں کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ کون اللہ کے زیادہ قریب ہے کہ اسے وسیلہ بنائیں۔

(۱۴) مسلم شریف کی دوسری روایت کے مطابق رضوان داروغہ بہشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

کرے گا' بِكَ أُمِرْتُ أَنْ لَّا أَفْتَحَ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ۔ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے نہ کھولوں--- ایک اور حدیث پاک سنئے: أَمَا إِنَّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِيْ۔ یعنی اے ابوبکر سن لو میری امت میں سے سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔ (ابوداؤد شریف)

(۱۵) اسے ابن ماجہ نے صحیح کہا۔ تفصیل دیکھئے "حیات النبی" از علامہ کاظمی قدس سرہ۔

(۱۶) توحید کا ایک تقاضا ہے خدا کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض۔ نیز اللہ کو حاکم مطلق مان کر اس کے مقابلے کسی کی بات نہ مانی جائے۔ شیطانی توحید ہے اللہ والوں کا ادب نہ کرنا اگرچہ اللہ حکم دے اور اللہ والوں سے بیر رکھنا۔ دیکھئے شیطان کا ایک واقعہ جس میں اس مردود کی حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ (یہ واقعہ تذکرۃ الاولیا اور بہت سی کتب تصوف میں ہے' میرے سامنے اس وقت کشف المحجوب ہے۔ واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے شیطان سے ملنا چاہا تو ایک دن وہ سامنے آگیا۔ آپ نے اس سے پوچھا' اے ملعون! آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا تھا۔ بولا' اے جنید! تمہارے دل میں یہ خیال کیوں پیدا ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرتا۔ آپ حیران ہو گئے اور کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا تو یکایک آپ کے دل سے آواز آئی' اے جنید اس سے فرماؤ کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ اگر تو اللہ کا فرمانبردار بندہ ہوتا تو اس کی نافرمانی نہ کرتا۔ شیطان نے آپ کے دل کی آواز سنی تو چلایا اور کہنے لگا' خدا کی قسم! تو نے مجھے جلا دیا ہے اور پھر غائب ہوگیا۔

ادارہ تعلیماتِ مجدّدیہ کی ایمان افروز مطبوعات

- قمر التمام : اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ
- مردان حق : حضرت پروفیسر محمد حسین آسی
- روح اعظم : حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری
- سوراج الٹے پاؤں پلٹے : حضرت پروفیسر محمد حسین آسی
- فیض نور : غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔اے
- مضامین میلاد : مولانا غلام دستگیر ملک
- نعت مصطفیٰ : ڈاکٹر سید آفتاب احمد نقوی
- شجرۂ نور : صاحبزادہ محمد عابد نوری

زیرِ طبع

- شان امام اعظم : خواجہ خواجگان حضرت دوست محمد قندھاری
- ایصال ثواب کا جواز : علامہ محمد شفیق نوری
- فکر اقبال : پروفیسر محمد محبوب عارف